قسط 2

ہم گم شدہ محبت کے

انجم انصار

انسان نہ کچھ ہنس کر سیکھتا ہے، نہ رو کر سیکھتا ہے، جب بھی سیکھتا ہے یا کسی کا ہو کر سیکھتا ہے یا پھر کسی کو کھو کر سیکھتا ہے... چونکہ لوگ دل کے امیر کم، کم ہوتے ہیں، اس لیے زندگی کی کتاب میں اتنی غلطیاں نہ کرو کہ پنسل سے پہلے ربڑ ختم ہو جائے اور توبہ سے پہلے زندگی...

جو آنکھوں اوٹ ہے چہرہ اسی کو دیکھ کر جینا
یہ سوچا تھا کہ آساں ہے مگر آساں نہیں ہوتا
نہ بہلاوا نہ سمجھوتا، جدائی سی جدائی ہے
ادا سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا

محبت کے انوکھے روپ سنوارتی ایک حسین تحریر......

شہلا کی جان جل کر رہ گئی...... جب وہ ہنستی مسکراتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تو کریم آنگن میں بیٹھا ٹھاٹ سے چائے پی رہا تھا اور اپنی خالہ سے باتیں علیحدہ بنا رہا تھا۔

''اوہ...... گھر آنے کا یہ ٹائم ہے تمہارا؟'' وہ گھڑی پر اک نظر ڈال کر تمسخر سے بولا۔

''ہاں ہے پھر...... آپ کو کیا تکلیف......؟'' وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

''خالہ آپ کی بے جا نرمی نے بہت ڈھیل دے رکھی ہے شہلا کو...... اب مغرب کے بعد کون سے اسکول کھلے ہوتے ہیں مگر آپ تو گھر میں بیٹھنے والی خاتون ہیں، آپ کو یہ سب کیا پتا......'' وہ ہنس کر بولا۔

''آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ میرے آنے جانے کی بابت سوالات کریں؟''

''میں تو بھئی اِک عام سی بات کر رہا ہوں...... تم اس وقت اپنے اسکول سے ہی آ رہی ہو ناں......؟''

''جی نہیں، میں شاپنگ کرتی ہوئی آ رہی ہوں۔'' شاپنگ بیگز اس نے راحیلہ کو تھماتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت کریم کے منہ نہیں لگنا چاہ رہی تھی۔

''اپنی بہن کو بھی ساتھ لے جایا کرو، وہ بیچاری تو کہیں آتی جاتی ہی نہیں ہے۔'' وہ پھر بولا۔

''کریم بھائی آپ اپنی خالہ کے پاس آئے ہیں ناں تو اُن سے ہی باتیں کریں، وہ آپ کی ہر اوندھی، الٹی بات بھی بڑی رغبت سے سنیں گی مگر مجھ سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ غصہ دبا کر بولی۔

''کیوں، کیا تم اس گھر میں نہیں رہتی ہو...... یا اس گھر سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے!'' خالہ کی مسکراہٹ کی شہ پا کر وہ اترا کر بولا۔

''یہ تو گھر ہی میرا ہے...... مگر آپ کا کیا حق بنتا ہے جو اس طرح کی بات چیت کریں، اس لیے آئندہ مجھ سے منہ سنبھال کر بات کیجیے گا ورنہ شاید آپ مجھے جانتے نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ جانے کو مڑی۔

''ارے جان، تمہیں نہیں جانیں گے تو بھلا کس کو جانیں گے۔ وہ گنگنایا۔ ''اور حق ہی تو بنتا ہے جبھی تو یہ سب اتنے پیار سے پوچھ رہا ہوں۔'' کہا تو اس نے دھیرے سے تھا مگر شہلا نے سن لیا تھا۔ اس کے آگے بڑھتے قدم سرعت سے پیچھے لوٹے اور وہ جوشِ غضب سے بولی۔

''آپ کیا سمجھتے ہیں...... میں آپ کی یہ بکواس برداشت کروں گی اور چپ رہوں گی...... ہاں؟''

''ارے میں نے کہا ہی کیا ہے...... تم میری کزن ہو اس حوالے سے کیا دو لفظ میٹھے بھی نہیں بول سکتا......''

''نہیں، ہرگز نہیں اور اسی وقت نکل جائیں میرے گھر سے......!''

''یہ میری خالہ کا گھر ہے...... میں کیوں جاؤں؟'' وہ شانے اچکا کر بے غیرتی سے ہنسا۔

''یہ گھر میرے باپ کا ہے، آپ کی خالہ کا نہیں...... اٹھیں اور دفع ہو جائیں۔'' وہ غصے سے دہاڑی۔ ''سنا نہیں آپ نے...... دفع ہو جائیں یہاں سے......''

ذکیہ بیگم یہ غیر متوقع صورت حال دیکھ کر ہڑبڑا کر بس ہیں...... ہیں کرتی رہ گئیں مگر اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں اور وہ نفرت کی تصویر نظر آ رہی تھی اور کریم پہلی بار اس کا یہ شعلہ بار انداز حیرت سے تکتے چلے جا رہا تھا۔

وہ غصے سے تنتناتی ہوئی اپنے کمرے میں اس طرح گئی تھی کہ راستے میں آنے والی چیزوں کو ٹھوکر سے گراتی ہوئی...... کرسی، جگ اور ٹرے نیچے گرنے سے شور علیحدہ مچا گئے تھے۔

''خالہ...... یہ شہلا اتنی بدتمیز لڑکی ہے، میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔''

''چلو اب تو دیکھ لیا ناں......'' ذکیہ دھیمے سے بولیں۔

''ہاں دیکھ لیا اور بہت اچھی طرح دیکھ لیا۔''

''ہاں بیٹا...... کماتی ہوئی بیٹیوں کے بعض انداز کچھ اس طرح کے بھی ہوا کرتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو لڑکا سمجھنے لگتی ہیں۔''

''ایسی لڑکیوں کا صرف ایک ہی علاج ہونا چاہیے۔ وہ بھی بہت تگڑا علاج...... نہ ٹھیک ہوئیں تو میرا نام بدل دینا۔''

''یہ بات تو مجھ سے کہہ رہا ہے...... جس کے ماتھے پر سوتیلی ماں کا لیبل علیٰحدہ چسپاں ہے...... جو جتنا ہی چاہے اچھا کر دے مگر بری ہی کہلائی جاتی ہے۔'' انہوں نے مگرمچھ کے آنسو بھی ٹپکا دیے۔

''خالہ...... آپ نے شہلا کو واقعی زیادہ ڈھیل دے دی...... جب ہی تو وہ سر چڑھ کر ناچ رہی ہے۔''

''چلو...... تم نے یہ تو مان لیا ناں کہ میں اس پر سختی نہیں کرتی ہوں...... اور ایک نرم ماں ہوں......'' وہ بھانجے کی اس بات کو بھی اپنی تعریف میں لے گئیں۔

''میرے ساتھ اگر کوئی دوسرا اتنی بدتمیزی کرتا ناں تو میں اس کے ہوش ٹھکانے لے آتا......'' کریم کا غصہ کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔

''ارے چھوڑو...... باؤلی ہے ناں...... جب ہی تو اس کو جان لینے والے اسے بالکل بھی پسند نہیں کرتے حالانکہ خوب صورت بھی ہے...... مگر ایسی خوب صورتی کس کام کی۔'' اب انہوں نے شہلا کو گرانے کے لیے الٹی چال چلی کہ وہ جانتی تھیں کہ کریم یہاں سے جا کر چار گھروں میں شہلا کی برائیاں خوب پیٹ بھر کر کرے گا۔

''خالہ اس پگلو لڑکی کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ اس کی کہیں جلدی سے شادی کر دیجیے...... تاکہ آپ کی جان کو سکون ملے۔'' کریم نے پتا پھینکا۔

''ارے بیٹا! اس جھگڑالو، پگلو لڑکی سے جانتے بوجھتے کون شادی کر کے اپنی جان عذاب میں ڈالے گا۔'' خالہ نے بھی اس کے پتے کو تڑپ کی دُکی سے کاٹ دیا اور وہ منہ دیکھتا رہ گیا۔

اور راحیلہ ان کی باتیں نہ سمجھتے ہوئے بھی بے وجہ اپنا سر ہلا کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

بشیر احمد کا یہ گھرانا لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھتا تھا، وہ کسی سرکاری دفتر میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر تھے۔ ان کی دو ہی بیٹیاں تھیں...... شہلا اور راحیلہ...... شہلا ان کی پہلی بیوی رضیہ کے بطن سے تھی جن کے انتقال کے بعد انہوں نے اپنی چھوٹی سالی ذکیہ سے شادی کر لی تھی اور ذکیہ نے بھی جب اپنی پانچ سالہ بھانجی شہلا کو گود لیا تو اس کو اپنی ہی بیٹی سمجھ کر پالا...... راحیلہ اور شہلا دونوں بہنوں میں بے حد پیار تھا...... مگر شکل صورت میں دونوں میں نمایاں فرق تھا...... اور اس کی واضح وجہ یہ تھی کہ شہلا کی ماں رضیہ اپنی تمام بہنوں میں سب سے زیادہ خوب صورت تھیں اور ان کا رنگ و روپ بھی کشمیریوں کی طرح تھا جبکہ ذکیہ خود بھی سانولی تھیں اور راحیلہ ان ہی کا پرتو تھی اور یہ دونوں بہنیں ایک دوسرے کی ضد تھیں...... کوئی نیا دیکھنے والا ان دونوں کو بہن ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا تھا۔ اور یہی بات ذکیہ کا دل دکھی سا کر دیا کرتی تھی...... کہ ان کی اپنی بیٹی، اپنی بھانجی کے مقابلے میں کم ہے' کیا تھا کہ اگر راحیلہ بھی شہلا جیسی گوری ہوتی یا پھر وہ دونوں ہی سانولی سلونی سی ہوتیں...... جس سے دل میں دکھ کا صحرا تو نہ ہوتا...... اور جس دن ان کی اپنی بڑی بہن نے ان سے رازدرانہ لہجے میں کہا...... کہ راحیلہ کے چہرے پر رنگ صاف کرنے کی کریمیں لگایا کرو...... ورنہ وہ شہلا کے سامنے اس کی ملازمہ سی لگتی ہے تو ان کا دل چاہا تھا کہ وہ خوب چیخ، چیخ کر روئیں اور شہلا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر سے باہر نکال دیں...... جس کی وجہ سے ان کی پیاری سی بیٹی کی ویلیو گھٹ گئی تھی۔

''اگر یہ شہلا بھی اپنی ماں کے ساتھ مرکھپ گئی ہوتی تو آج گھر کے ایسے حالات نہ ہوتے...... کوئی میری بیٹی کا مقابلہ کسی سے نہ کرتا...... اور ایک پریشانی کی تلوار میرے سر پر بھی نہ لٹکتی رہتی......''

ذکیہ بیگم کے ذہن میں یہ باتیں جوار بھاٹا تو ضرور مچایا کرتیں...... مگر اُن کی ہمت نہیں تھی کہ وہ شہلا کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات اپنے لبوں پر لے آئیں...... اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ باپ کی زیادہ ہی منہ چڑھی تھی...... اور دوسرے وہ جاب کرتی تھی...... اور اسکول سے وہ جو کچھ کماتی وہ سب ماں کے ہی ہاتھ میں لا کر دیتی، اس نے کبھی کوئی حساب کتاب نہیں پوچھا تھا...... اور ذکیہ کو اس کی یہ ادا دل سے بھائی تھی...... اور وہ اس کو ناراض کرنے کے بارے میں سوچ تک نہیں سکتی تھیں...... کہ بہت سی نفرتیں دل میں ہی پالی پوسی جاتی ہیں اور زبان سے منافقت کا کام لیا جاتا ہے...... کتنا اچھا ہی ہے کہ لوگ دل کی باتیں سن نہیں سکتے ورنہ تو شاید دوستی کا وجود تک نہ ہوتا...... اور رشتے داریاں وہ تو ہوا کے ہلکے سے جھونکے سے ہی ختم ہو جایا کرتیں۔

☆☆☆

چائے کا کپ ختم کرکے میں اٹھی ہی تھی آج آفس کے ٹائم سے دو گھنٹے اوپر ہو گئے تھے مگر میں نے اپنا پورا کام نمٹا دیا تھا۔ بیگ اٹھا کر، میں نے کیبن سے قدم باہر نکالا تو سر فرید کھڑے تھے۔

''کیا آپ تھوڑی دیر رک سکتی ہیں؟''

''سر میں پہلے ہی دو گھنٹے لیٹ جا رہی ہوں۔''

''ایک بات کہنی تھی۔'' وہ بولے اور ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔

''جی کہیے......'' میں بادل ناخواستہ لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''اگر آپ آفس ورکرز کی بھی مانیٹرنگ کر لیا کریں۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا......؟ میں ان کی انچارج تو نہیں ہوں۔''

''میرا مطلب ہے...... ہمارے آفس میں کام کرنے سے زیادہ باتیں بنائی جاتی ہیں۔''

''سر، ہر اخبار کے دفتر میں باتیں ہی بنائی جاتی ہیں اور باتیں ہی بیچی جاتی ہیں...... ساجد تو از خود خبریں تک بنایا کرتا ہے۔'' میں نے انہیں جتایا۔

''میرے ایک دوست نے مجھے مشورہ دیا تھا...... کہ آفس ورکرز کی بھی مانیٹرنگ بہت ضروری ہوتی ہے۔''

''تو سر...... یہ کوئی ضروری نہیں جسے کام کرنا ہے وہ ہر صورت میں کرے گا اور جسے نہیں کرنا وہ کسی صورت بھی نہیں کرے گا بلکہ اپنے کام نہ کرنے کے دس بہانے سوچے گا۔''

''ہوں...... تو پھر ٹھیک ہے، میں ہی پھر دیکھتا ہوں کچھ۔'' وہ مسکرا کر بولے۔

اور میں سر جھٹک کر باہر نکل آئی تھی کہ یہ بگ باس بھی بعض دفعہ کیسی چھوٹی بات کر لیا کرتے ہیں...... اب کسی کی ٹوہ میں رہنا بھلا کوئی اچھی بات ہے۔

☆☆☆

اگلے دن شہلا...... بینک وقت مقررہ پر پہنچ گئی تھی، اسکول کی فیس وہ جمع کرا چکی تھی...... مگر حارث ابھی تک بینک نہیں آیا تھا...... اس کا شیشے کا کمرا...... اس کے بغیر اسے سونا، سونا دکھائی دے رہا تھا۔

''تھوڑی دیر انتظار کرنا چاہیے......'' اس نے سوچا اور وہیں بیٹھی رہی...... اور اپنا وقت بینک میں آنے والی خواتین کو دیکھنے میں لگایا...... ''یہ اچھے گھروں سے تعلق رکھنے والی خواتین گھر سے باہر جاتے ہوئے اپنا خیال کیوں نہیں کرتیں......'' مسلا ہوا دوپٹا، بغیر پریس کی شرٹ، بکھرے بالوں کے ساتھ آنے والیاں اسے بالکل اچھی نہیں لگ رہی تھیں...... یا پھر بہت زیادہ میک اپ میں لت پت لڑکیاں بھی اسے بہت بری لگ رہی تھیں...... وہ پتا نہیں کب تک آنے والی خواتین کو دیکھتے ہوئے مختلف گریڈ دیتی کہ اسے حارث آتا ہوا دکھائی دیا...... سرو قد

......وجاہت بھری پرسنالٹی، سیاہ چشمہ لگائے وہ سیدھا اپنے روم میں داخل ہوا......تو شہلا اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی......''واؤ......کتنا خوبرو ہے یہ حارث......'' وہ اپنی نشست سے اٹھ کر اس کے کمرے میں آئی تو وہ موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا......اسے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کو کہا......اور قدرے رخ موڑ کر وہ فون پر بات کرتا رہا......اور وہ اسے دیکھتی رہی، مسکراتے ہوئے وہ کتنا اچھا دکھائی دے رہا تھا۔ اپنی بات مکمل کر کے اس نے اس کو دیکھا اور انتہائی سنجیدگی سے بولا۔

''جی مس فرمائیں......''

''مسز اشفاق نے آپ کو سلام کہلوایا ہے۔ اور کہا ہے کہ کبھی ہمارے اسکول کا بھی چکر لگائیں......اور ہاں پندرہ دن بعد ہمارے اسکول میں مینا بازار ہونے والا ہے......اس میں تو آپ کو لازمی آنا ہے۔''

اسے معلوم تھا......اسکول کی اونر سے حارث کے فیملی روابط میں تو وہ خواہ مخواہ ہی بولے چلی گئی......(اپنے بے وجہ بیٹھنے کا جواز تو دینا ہی تھا)

''جی......'' وہ کسی سے موبائل پر کہہ رہا تھا اور شہلا کو یوں لگا جیسے اس نے آنے کی حامی بھر لی ہو۔

''آپ کو پتا ہے مینا بازار میں میری ڈیوٹی حلیم کے اسٹال پر ہوگی اور آپ کو میرے اسٹال پر تو لازمی آنا ہوگا......اور گرما گرم حلیم بھی کھانا ہوگا......میں اسکول کی طالبات کے ساتھ۔'' تب وہ کھنکھار کر اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''آپ آنٹی کو میرا اسلام کہیے گا......بینک کے اوقات میں میرا کہیں جانا مشکل ہی ہوا کرتا ہے......مگر پھر بھی میں کوشش ضرور کروں گا۔''

''ایمان سے۔'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا......حارث نے چونک کر اسے دیکھا......جو وارفتگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اوکے، میں آؤں گا آپ کے اسکول......'' اس نے اسے ٹالنے کے لیے کہا۔

اور اسے یوں لگا جیسے وہ کہہ رہا ہوں کہ تم بلاؤ......اور میں نہ آؤں ایسا بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں صرف تمہاری خاطر ضرور آؤں گا......ہاں ضرور......

''سچی......'' اب وہ اپنے من میں ہی کہتی ہوئی حارث کو دیکھے چلی جا رہی تھی۔

مگر وہ اپنا رخ قدرے بدل کر روم میں آنے والے کسی دوسرے شخص کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ جس کا صاف یہ مطلب تھا کہ اب آپ جا سکتی ہیں......شہلا کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ وہ اس کے روم سے اب مسکراتے ہوئے باہر جا رہی تھی۔

☆☆☆

مسکراہٹ کیسے دم توڑا کرتی اور آنسو حلق میں کیسے اٹکا کرتے ہیں اور حواس کیسے شل ہو جایا کرتے ہیں......

آج اس کا بھی تجربہ مجھے ہو گیا تھا۔ اپنی سہیلی کو شوخ جملوں سے میں نے چھیڑا بھی تھا اور اس کی بات پر مسکرائی بھی تھی کہ آج میں ایک مقامی ہوٹل میں اپنی ایک عزیز دوست کے نکاح میں شریک تھی۔ ابھی کسی دوسری سہیلی کی بات پر میں مسکرا ہی رہی تھی کہ عین اپنے سامنے سبین کو بیٹھا دیکھ کر میری مسکراہٹ کافور ہو گئی جو مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ نظریں ملیں......تو ہڑبڑا کر انہیں سلام کر ڈالا۔

''اوہ......اچھا......سلام کرنا آتا ہے تمہیں۔'' وہ دھیرے لہجے میں بولی تھیں۔

بارات آنے کے شور میں......کسی کو کسی کی بات سنائی نہیں دے رہی تھی......مگر مجھے ان کی آنکھوں کی نفرت

بھری چنگاریوں کی تپش بھی محسوس ہو رہی تھی، میرا دل چاہا کہ وہاں سے اٹھ کر چلی جاؤں...... مگر میرے قدم ایسے من، من بھر بھاری ہو گئے تھے...... کہ اٹھنا چاہتے ہوئے بھی اٹھ نہیں سکتی تھی...... جبکہ میری ساری سہیلیاں اِدھر اُدھر ہو گئی تھیں۔

''مجھے نہیں معلوم تھا...... تم سے دوسری ملاقات اتنی جلدی ہو جائے گی۔'' وہ بولیں۔

مگر میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

''کیا خیال ہے صرف دو ماہ بعد ہی ہم مل گئے ناں......'' وہ ہنسیں۔

''جی......'' میرے منہ سے بہ مشکل نکلا۔

''اب بھی...... منگنی کے دائرے میں قید ہو گی تم...... ہے ناں......؟''

میں نے ان کی بات پر نظریں جھکا لیں۔

''مس صبا رحیم...... ایک بات کہوں تم سے......'' وہ جملہ کہہ کر رکیں۔

میں نے نظریں اٹھائیں جو سوالیہ تھیں۔

''منگنی حقیقت میں ڈھکنی ہوا کرتی ہے اس میں لڑکی والوں کے ڈھنگ دیکھے جاتے ہیں...... اور جب منگنی میں لڑکی والوں کے ڈھنگ آشکار ہو جاتے ہیں...... تو لڑکے والے بتائے بغیر بھاگ جاتے ہیں کہ قانونی حیثیت تو اس کی کچھ ہوتی نہیں ہے...... اور نہ ہی وہ کسی کو جواب دہ ہوتے ہیں اس لیے بی بی...... تم بھی بھاگ جانے والوں پر صبر کر لو...... ورنہ دو چار سیزن گزر گئے ناں...... تو تمہارے لیے بھی کسی اچھے رشتے کا حصول مشکل ہو جائے گا...... اور ہاں یہ ساری خوب صورتی بھی دھری کی دھری رہ جائے گی۔'' اور ان کی بات سن کر میں پھر پتھر سی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''ارے خوشی کی بات سن کر...... کیا سکتہ ہو گیا تمہیں......'' چھوٹی آپا ہنس رہی تھیں۔

''میری آسان سی بات تمہیں سمجھ میں نہیں آ رہی......'' چھوٹی آپا، اپنی بہن ذکیہ کو یوں حق دق سا دیکھ کر چھیڑ رہی تھیں...... بلکہ ایک ہاتھ بھی شانے پر مارا تھا اور ذکیہ بیگم کا دل چاہا کہ وہ چیخ، چیخ کر کہہ دیں کہ میں اتنی مشکل بات اگر سمجھ بھی لوں تو ہضم کیسے کروں۔

''ذکیہ، تمہیں تو اچھا لگنا چاہیے...... کہ اب ہماری ڈبل رشتے داری ہو جائے گی......'' ان کی بہن نے ان کے منہ میں مٹھائی کی ڈلی رکھ کر کہا۔

یہ سب ذکیہ بیگم کو برا تو نہیں لگ رہا تھا...... مگر وہ اسے شربت کے گھونٹ کی طرح پی گئیں کہ ان کی چھوٹی آپا نے اپنے بیٹے کریم کا رشتہ راحیلہ کے بجائے شہلا کے لیے دیا تھا۔ چھوٹی آپا کی یوں تو دوستی بھی ذکیہ سے بہت تھی...... اور وہ گاہے بہ گاہے شہلا کو چالاک لڑکی بھی کہا کرتی تھیں...... اور راحیلہ کی سادگی کی ہمیشہ تعریف کرتی تھیں...... مگر جب اپنے بیٹے کا رشتہ طے کرنے کی بات آئی تو انہیں شہلا ہی پسند آئی۔

''آپا...... یہ شہلا کب سے آپ کو پسند آنے لگی...... کریم کو تو وہ کبھی اچھی نہیں لگی۔'' انہوں نے بظاہر مسکرا کر ہی پوچھا...... ورنہ دل تو گالم گلوچ کرنے تک پر بضد تھا کہ اس دن کی بے عزتی بھی ان ماں، بیٹے کو بری نہیں لگی تھی۔

''تمہارا بھانجا...... کریم اس کا کلمہ پڑھ رہا ہے اور کریم کیا خاندان بھر کے لڑکے...... شہلا کو ہی پسند کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہمارے خاندان میں اس جیسی لڑکی تو دوسری کوئی ہے ہی نہیں...... بلکہ اس کے پاسنگ برابر بھی نہیں ہے۔'' تب ذکیہ کو یوں لگا جیسے ان کی بہن جھوٹ بول رہی ہوں...... کریم کے جملے انہیں ابھی تک یاد تھے جو وہ شہلا کی شان میں کہہ کر گیا تھا...... اور اس واقعے کو اتنا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہ ان لفظوں کی گونج بھول جاتیں۔

''سچی کہہ رہی ہوں میں...... کریم کو شہلا بہت ہی اچھی لگتی ہے۔'' چھوٹی آپا نے ان کے ساکت وجود کو جھنجوڑتے ہوئے پھر کہا۔

''اب اگر لوگوں کی آنکھیں خراب ہوگئی ہیں...... تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' ذکیہ کو اپنی بہن کی بات بالکل پسند نہیں آئی تھی۔

''ذکیہ تمہاری عقل مندی یہی ہے کہ شہلا کا رشتہ طے کرکے اپنی سیدھی سی بچی راحیلہ کے لیے راستہ صاف کرو...... ورنہ وقت گزر گیا تو مشکل تمہاری ہی ہوگی۔''

''آپا کیا آپ کو کریم نے نہیں بتایا...... کہ وہ اس کی کتنی عزت افزائی کرچکی ہے۔'' ذکیہ کا لہجہ تذلیل آمیز تھا۔

''ہاں بتاتا تو ہے وہ کہ ان دونوں کی بڑی گاڑھی چھنتی ہے۔''

''ایل لو...... شہلا کی تو کبھی کریم سے دوستی ہی نہیں رہی......''

''دوستی ہی تو ہے...... جب ہی تو وہ دونوں منہ ماری کرتے رہتے ہیں...... کزن جو ہیں وہ دونوں۔'' اب چھوٹی آپا اپنے بائیں ہاتھ سے باچھیں پوچھ کر منہ میں پان گھماتے ہوئے رغبت سے ہنس رہی تھیں۔

''یہ تو وہی بات ہوگئی کہ گالیاں کھا کر بھی بے مزہ نہ ہوئے۔''

''ارے ذکیہ جب خالہ، پھوپی کے لڑکے لڑکیاں آپس میں ہنسی مذاق کرتے ہیں ناں...... تو وہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ دوسرے سمجھا کرتے ہیں کہ وہ لڑ رہے ہیں۔'' اپنی بات کو مکمل کرنے سے پہلے ہی وہ پھر ہنسنے کے لیے پر تولنے لگیں۔

''سچی کہہ رہی ہوں میں آپ سے شہلا اور کریم کی اکثر باتوں پر اچھی خاصی لڑائی ہوجاتی ہے۔'' ذکیہ نے انہیں انتہائی سنجیدگی سے سمجھایا۔

''ارے تم نے سنا نہیں...... جس سے زیادہ لڑیں...... اسی سے تو پیار ہوتا ہے۔ کیا تم ٹی وی کے ڈرامے سے نہیں دیکھتی ہو...... جو ہیرو اپنی ہیروئن کو کاٹ کھانے کو آتا ہے...... آخر میں وہ اسی سے شادی کے لیے اچھا خاصا بلک رہا ہوتا ہے۔'' چھوٹی آپا نے بھی علامانہ رائے دے دی۔

''اگر آپ نہیں سمجھنا چاہ رہی ہیں تو نہ سمجھیں...... مگر یہ حقیقت ہے کہ شہلا، کریم سے اچھی خاص نفرت کرتی ہے اور وہ کریم کا رشتہ کسی صورت بھی قبول نہیں کرے گی...... میں تو کہتی ہوں کہ آپ یہ مٹھائی بھی واپس لے جائیں...... اگر اس کے کانوں میں بھی ایسی بھنک پڑگئی ناں...... تو وہ غل مچا دے گی ہاں۔''

''افوہ...... یہ کیوں نہیں کہہ رہیں کہ اب لڑکی تمہارے ہاتھوں سے نکل گئی ہے۔'' چھوٹی آپا نے طنز میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

''آپ کچھ ہی سمجھیں...... مگر میں یہ رشتہ قبول نہیں کرسکتی۔''

''اور تم بھی کچھ ہی سمجھو...... میں یہ رشتہ پکا کروا کے رہوں گی کہ اب یہ میری زبان کی بات ہے...... ورنہ چار لوگوں میں مجھ پر تھو، تھو ہوجائے گی۔''

''مگر میں کیا کروں...... میری حالت سے باخبر ہوکر بھی آپ ایسی بات کہہ رہی ہیں۔'' ذکیہ نے ہتھیار ڈالے۔

''ذکیہ تم اپنے شوہر سے کہو کہ وہ نکیل ڈال کر رکھے...... ورنہ اس جیسی لڑکیاں تو گھروں سے بھاگ جایا کرتی ہیں۔'' وہ اب دوسری بات الاپنے لگیں۔

''خواہ مخواہ بھاگ جائے گی۔'' کماؤ بیٹی کے لیے یہ بات انہیں ناگوار گزری۔

''اگر بھاگ گئی تو پھر کیا کروگی؟ بے عزتی تو تمہاری ہی ہوگی ناں...... کالک تو تمہارے منہ پر ہی لگے گی...... اور غیر ذمے دار سوتیلی ماں کا ٹھپا بطور میڈل کے الگ تمہارے سینے پر لگ جائے گا۔''
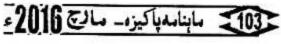
''تو پھر کیا کروں...... میں نہ شہلا کے خلاف جاسکتی ہوں اور نہ ہی اس کے خلاف اس کے باپ سے کوئی بات کرسکتی ہوں۔''

''کیا رضیہ کے بعد بھی اسی کی حکومت چل رہی ہے...... تم زندہ بیوی ہو...... اور پھر بھی تمہاری بات نہیں مانی جاتی۔'' چھوٹی آپا کی یہ بات...... ذکیہ بیگم کو تیر کی طرح لگی۔

اور انہیں اب بشیر احمد کو کسی طرح بھی راضی کرنا تھا...... اور پھر انہوں نے بشیر احمد کو کس، کس طرح گھمایا...... اور کیسی، کیسی تاویلیں دیں...... یہ وہی جانتی تھیں اور پھر شہلا کو بتائے بغیر...... کریم کا رشتہ قبول کرلیا گیا اور بشیر احمد کو بھی باور کرایا گیا کہ شہلا بے وقوف سی لڑکی ہے جب رشتوں کی یہ بہار ختم ہوجائے گی تو کوئی بھی پوچھنے کے لیے نہیں آئے گا...... اور ابھی کون سی ہم شہلا کی شادی کررہے ہیں...... آہستہ، آہستہ اس کو کریم کے رشتے کے لیے آمادہ بھی کرلیں گے...... اگر فوراً بتایا تو وہ بے وقوفوں کی طرح اودھم مچادے گی...... اور بشیر احمد کو ایسا ہی لگا جیسے ذکیہ کی بات بالکل صحیح ہو اور یوں بھی انہیں کریم بھلا سا لڑکا لگتا تھا۔ جب بھی ملتا آگے بڑھ کر مصافحہ کرتا...... اگر باہر کہیں وہ پیدل دکھائی دیتے تو انہیں اپنی بائیک پر گھر تک چھوڑ بھی دیا کرتا...... اور اس عید پر تو وہ ان کے لیے ایک کرتا شلوار بھی لے آیا تھا۔

''بیٹا...... اب ہم بچوں سے تحفے تحائف نہیں لیں گے...... اس کی کیا ضرورت تھی۔'' بشیر احمد کو عجیب سا لگا تھا۔ اور انہوں نے جوڑا واپس اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔

''خالو، آپ اس سال پہلی مرتبہ اعتکاف میں بیٹھے تھے...... یہ اس لیے جوڑا اماں نے آپ کے لیے بھجوایا ہے۔'' وہ زبردستی ان کو جوڑا دیتے ہوئے بولا تھا۔

''ہاں ٹھیک تو کہہ رہا ہے...... خوشی کے موقع پر مٹھائی اور جوڑے دیے جاتے ہیں۔'' ذکیہ نے بھی بھانجے کو کمک پہنچائی اور کریم اس لیے مسکرا رہا تھا کہ اسے شہلا تک جانے کا راستہ سہل کرنا تھا اور پھر کامیابی بھی اس کے حصے میں آہی گئی تھی...... کہ خاندان کے دیگر لڑکے اس پر رشک کررہے تھے اور اس نے جو شرط لگائی تھی وہ علیحدہ جیت چکا تھا۔

''شہلا کو کریم کبھی اچھا نہیں لگا تھا...... مگر وہ اتنا لیچڑ سا ہوگا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ وہ مختلف بہانوں سے اس کی چھٹی کے وقت اپنی بائیک لے کر آرہا تھا کہ ''ارے میں یہاں سے گزر رہا تھا کہ تم نظر آگئیں...... آؤ میں تمہیں گھر تک ڈراپ کردوں۔''

''میں خود چلی جاؤں گی...... آپ پلیز چلے جائیں۔'' پہلی مرتبہ تو اس نے تمیز کے دائرے میں جواب دے دیا تھا۔

مگر جب دوسری اور پھر تیسری، چوتھی مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا تو اس نے بری طرح لتاڑ دیا اور گھر آکر علیحدہ برسی تھی کہ کیا کریم بھائی کو ہمیشہ ہی بے عزتی کی خوراک درکار ہوتی ہے۔

''امی...... آپ خالہ کو بتادیں کہ کریم کے گلے میں پٹا ڈال کر رکھیں وہ...... میں اس کی پھٹ پھٹی پر بیٹھ کر کہیں آنے جانے والی نہیں ہوں...... میں جس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی...... اس کی بائیک پر کیوں بیٹھوں گی۔''

''آپا...... اگر آپ کو ساری زندگی ہی اس پھٹ پھٹی پر بیٹھنا پڑے تو آپ کیا کریں گی؟'' راحیلہ نے ہنس کر کہا۔

''میں پاگل تو ہوں نہیں...... جو بیٹھ جاؤں گی......''

''آپ کو پتا ہے، کریم بھائی کا رشتہ آیا ہوا ہے، آپ کے لیے۔''

''اماں سے کہو کہ صاف منع کردیں...... میں ایک چھوٹے گھر سے مزید دوسرے چھوٹے گھر میں کبھی اپنی زندگی نہیں گزاروں گی۔''

”چھوٹی آپا..... تو اب بڑا گھر دیکھ رہی ہیں..... اب تھوڑی وہ چھوٹے گھر میں رہیں گی..... پھر تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا ناں.....“ ذکیہ بیگم نے لاڈ بھرے لہجے میں سمجھاتے ہوئے کہا۔

”مگر مجھے کریم اچھا ہی نہیں لگتا اور نہ ہی اس کی سوا نو بجاتی ہوئی مونچھیں پسند ہیں۔“

”آپا، میں کریم بھائی سے کہوں گی..... ہٹلر جیسی بارہ بجانے والی مونچھیں رکھ لو..... پھر تو چلے گا ناں یہ رشتہ.....“

”کسی صورت میں بھی نہیں۔“ وہ نفرت سے بولی۔

”مگر کیوں.....؟“ راحیلہ نے پوچھا۔

”مجھے میرا آئیڈیل مل چکا ہے.....“

”کون ہے وہ.....؟“

”حارث، بینک منیجر..... جو مجھے بہت پسند کرتا ہے۔“

”وہ آپ سے شادی بھی کرے گا؟“

”ظاہر ہے..... شادی تو میری حارث سے ہی ہوگی۔“

”مگر کب؟“

”یہ تو مجھے نہیں پتا.....“

”تو پھر کریم بھائی کے رشتے کا کیا، کیا جائے؟“

”انہیں بتا دو..... کہ وہ شہلا کے قابل نہیں ہیں۔“ وہ اترائی۔

”اس بات پر وہ برا مان جائیں گے، آپا کوئی ایسا کہتا ہے کیا؟“

”مان جائیں، میری بلا سے.....“

”مگر کریم بھائی، دل کے بہت اچھے ہیں۔“

”اچھا پر میرا دل تو انہیں نہ جانتا ہے اور نہ جاننا چاہتا ہے تو میرے لیے ان کی اچھائی بھی بے فائدہ ہی رہی ناں.....“

”ٹھیک ہے، میں اماں کو بتا دوں گی۔“

”ہاں بتا دینا..... تاکہ وہ میرے راستے تک میں نہ آئے..... جو خواب آنکھوں میں سجا کر آ جاتا ہے..... تو مجھے بے حد برا لگتا ہے بے حد برا.....“

اور دروازے پر کھڑی ذکیہ بیگم یہ سب باتیں سن کر تلملاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں..... اور اپنے آپ سے بولیں۔

”شہلا، تم بہت اچھی ہو..... بہت خوب صورت ہو..... مگر کوئی تمہیں میری آنکھوں سے دیکھے..... تو اسے پتا چلے کہ تم کتنی بری ہو اور کس قدر بدصورت ہو۔“

ذکیہ کا یہ پکا خیال تھا کہ شہلا اپنے باپ کے سامنے کبھی زبان نہیں کھول سکتی..... ایسے کئی مواقع بھی آئے تھے اور شہلا خاموش رہی تھی مگر یہ ان کی خام خیالی تھی شہلا کی سالگرہ سے دو دن پہلے جب ان کی بہن کے گھر سے شہلا کے لیے ایک گھٹیا سا ریڈی میڈ جوڑا اور اسی کی ساتھ کی دوپٹی کی نگینوں والی چپل آئی تو وہ بلا جانے بوجھے اس کا مذاق اڑانے لگی۔

”راحیلہ یہ خالہ کے گھر میں پہننے اوڑھنے کی تمیز کب آئے گی..... اب پٹیالا شلوار کے ساتھ انہوں نے اتنی لمبی فراک کا فیشن کس جگہ دیکھ لیا..... وہ کسی سرکس میں کام کرنے کے بارے میں تو نہیں سوچ رہی ہیں..... ڈارک بلو کے ساتھ گہرا عنابی کا مس میچ تو میں نے نہ کہیں دیکھا ہے اور نہ ہی مجھے پسند ہے۔“

"پلیز آپا! آپ ان چیزوں کا مذاق نہ اڑائیں" تب راحیلہ نے اسے بڑی رازداری سے بتاتے ہوئے کہا۔
"مگر کیوں بھئی...... میری مرضی، میں جو دل چاہے کہوں......" وہ پھر ہنسی۔
"کہہ رہی ہوں ناں کچھ نہ کہیں...... اگر کسی نے سن لیا تو یوں بھی پڑوس کی ستارہ مامی ادھر کی بات اُدھر کرنے میں ماہر ہیں، انہیں تو ہمارے گھر سے وہ کچھ بھی سنائی دے جاتا ہے جو کسی نے کہا بھی نہیں ہوتا۔" راحیلہ کا لہجہ ہنوز رازداری لیے ہوئے تھا۔
"مگر کوئی وجہ بھی ہو؟ خوامخواہ ہی میں ہونٹوں پر تالے ڈال لوں۔"
"یہ سب چیزیں آپ کی سسرال سے آئی ہیں۔"
"کیا کہا؟ وہ دہاڑی۔" دیکھو راحیلہ تمہیں پتا ہے میں مذاق میں بھی جھوٹ برداشت نہیں کرتی۔"
"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جھوٹ بولنے کی...... جو بات ہے وہی تو کہوں گی......"
"کیسی بات ہے، کیا بات ہے؟ جو مجھے معلوم تک نہیں۔" اس نے اپنی تیز آواز کو قدرے کم کرتے ہوئے پوچھا...... مگر دہکتی ہوئی آنکھیں...... اس کے غصے کی بخوبی عکاسی کر رہی تھیں۔
"آپ کا رشتہ کریم بھائی کے ساتھ طے ہو گیا ہے۔" اس نے آہستگی سے بتایا۔
"کس نے کیا ہے؟" وہ دہاڑی۔
"ابو نے، امی نے...... سب کے والدین ہی کیا کرتے ہیں۔"
"مجھ سے پوچھے بغیر؟" اس نے حیرت اور غصے سے کہا۔
"اب ابو، آپ سے مشورہ کرتے کیا؟ آپ سے اجازت طلب کرتے؟ آپ کی خوشامد کرتے جو انہوں نے کیا بہتر کیا۔"
"ہاں مگر میری پسند پوچھنا تو ضروری تھا ناں۔" وہ بولی۔
"مگر ہمارے والدین کو اپنی بیٹی پر بڑا اعتماد ہے...... وہ جانتے ہیں کہ وہ جو بھی کریں گے ان کی بیٹی کو وہ منظور ہوگا۔" راحیلہ نے بہن کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔
شہلا چپ رہی...... یوں جیسے اپنے آپ کو ٹٹول رہی ہو کہ اس خبر نے اسے کس حد تک جھلسایا ہے۔
"آپا یہ سب چیزیں کریم بھائی نے بہت محبت کے ساتھ بھجوائی ہیں۔ آپ کو تو ان کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے، وہ آپ کے منگیتر ہیں اور کوئی اپنے منگیتر کی لائی ہوئی چیزوں کو ایسے کہتا ہے بھلا...... وہ تو آپ کے غصے پر بھی مسکرایا کرتے ہیں۔" اس کی خاموشی کو اس کی رضامندی سمجھ کر راحیلہ بھی تقریر جھاڑتی چلی گئی۔
"کیا...... کیا کہا......؟" وہ پھر چیخی، اسے احساس ہو گیا تھا۔ بہن کی باتیں سن کر وہ سرتاپا سلگ چکی تھی۔
"میرا مطلب ہے، اب آپ کا یوں شور مچانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے...... ابو نے آپ کا رشتہ کریم بھائی سے طے کر دیا ہے۔" راحیلہ نے ماں کی سمجھائی ہوئی بات اس کے گوش گزار کی۔
"کیا میرے پیدا ہونے سے پہلے ہی یہ رشتہ طے ہو گیا تھا۔"
"نہیں، پچھلے ماہ ہی طے ہوا ہے، میں نے ان دنوں آپ کے کان میں بات ڈالی تو تھی۔"
"مگر میں تو اسے تمہارا مذاق سمجھی تھی۔"
"مگر یہ مذاق نہیں، تھا آپا۔"
"تو یہ سب چیزیں اٹھا کر کوڑے کی ٹوکری میں ڈال دو...... یہ میں مذاق میں نہیں حقیقت میں کہہ رہی ہوں۔"
"اور اگر ابو نے پوچھ لیا تو......؟" راحیلہ نے سہم کر کہا۔

''تو میں انہیں خود بتادوں گی کہ میری ماں ضرور مری ہے مگر میں نہیں مری ہوں، میں اپنی زندگی کا فیصلہ خود کروں گی۔ سمجھ میں آیا یا نہیں۔'' اس لمحے وہ اتنی زور سے چیخی کہ کچن میں آلو کاٹتے ہوئے ذکیہ کے ہاتھ سے چھری ان کی انگلی کو زخمی کرگئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ شہلا اس حد تک بھی خودسر ہوسکتی ہے جو اُن کی بچھائی ہوئی بساط تک الٹنا جانتی ہے۔

رات کو جب باپ کے سامنے اس کی پیشی ہوئی تو اس نے بغیر ڈرے اپنا موقف باپ کے سامنے بھی پیش کردیا......اور زبردستی کی صورت میں گھر سے کسی ہاسٹل شفٹ ہونے تک کا عندیہ دے دیا۔

''تم اتنی بدتمیز ہوگی، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چھوٹے بڑے کی تمہارے سامنے کوئی عزت ہی نہیں ہے۔''

''ذکیہ خالہ نے میری تربیت ہی اچھی نہیں کی تو اس میں میرا کیا قصور......انہوں نے شروع دن سے ہی مجھے یہ سکھایا تھا کہ خاندان میں کبھی شادی نہیں کرنا......تمہارے باپ سے شادی کرکے مجھے وہ خوشی کبھی نہیں ملی جو کسی دوسری جگہ شادی ہونے پر مجھے مل سکتی تھی۔''

شہلا نے ذکیہ بیگم کے کبھی کے کہے ہوئے جملے اس خوب صورتی سے اپنی گفتگو میں فٹ کیے کہ وہ بھی بغلیں جھانکنے لگیں۔

☆☆☆

وہ پارک میں جوگنگ کررہا تھا......موسم اچھا تھا، ہلکی ہلکی بوندا باندی میں وہ مسکراتے ہوئے راؤنڈ مکمل کر کے ٹاول سے اپنا چہرہ اور بازو خشک ہی کررہا تھا کہ اس کے موبائل پر بپ ہوئی......اسکرین پر نام دیکھ کر اس نے موبائل آن کیا اور بولا۔

''میں پارک میں ہوں، ہاں بس گھر ہی جارہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں بات کرتے ہیں۔'' اور موبائل آف کر کے پاکٹ میں ڈال کر وہ بیگ کاندھے پر ڈال کر پھولوں کو خوش دلی سے دیکھتے ہوئے جارہا تھا۔

دوسری جانب......فرید اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے اپنے آپ سے بات کرتے ہوئے غصے میں کہہ رہا تھا۔

''ہونہہ......لاٹ صاحب کہیں کا......جوگنگ کے لیے ٹائم ہے گھومنے، پھرنے کے لیے ٹائم ہے، مگر ٹائم نہیں ہے تو میرے اخبار کے لیے ٹائم نہیں......پتا نہیں اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے۔'' گاڑی کے ڈیک پر بجتے میوزک کے ساتھ ساتھ سیٹی بجاتے ہوئے وہ گاڑی تیزی سے چلاتا جارہا تھا کہ اس کے موبائل پر پھر بپ ہوئی تو وہ اسکرین پر فرید کا نام دیکھ کر مسکرا دیا۔

''بے صبرے انسان مجھے گھر تو پہنچنے دو۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''آخر ایسی کون سی خاص بات ہے جو آج تم صبح سے ہی میرے کان کھائے جارہے ہو، اگر ہم کچھ دیر بعد بات کرلیں تو کیسا رہے گا۔''

''ابے میری بات تو سن......میں کیا کہہ رہا ہوں، عقل بیچ کھائی کیا' فرید جھنجلا کر بولا۔

''بس پانچ منٹ گھر جاکر بات کرتا ہوں۔''

فرید اس کی بات پر غصے سے اپنا موبائل بستر پر پھینک کر بڑبڑانے لگا۔

''خبیث کہیں کا میری بات جان بوجھ کر نہیں سن رہا اور نہ ہی سمجھ رہا ہے......ہر بات کو لائٹ لینے کا عادی ہے۔ پتا نہیں کب یہ سمجھے گا۔''

☆☆☆

اور سلمیٰ بیگم نے واقعی اپنا سر تھام لیا تھا۔

”اُف خدایا ایسی بھاری، بھاری باتیں کیں تم نے اس سے۔ وہ یقیناً تمہیں کوئی تیز وطرار خاتون سمجھ رہی ہوگی۔ کیا ضرورت تھی تمہیں باتیں سنانے کی۔ یہ کوئی زبردستی کا سودا تھوڑی تھا جو وہ جھٹ قبول کر لیتی۔“ سبین کی باتیں سن کر سلمیٰ بیگم کو بالکل بھی خوشی نہیں ہوئی۔

”اماں، اگر کوئی اپنے گھر بلا کر مہمانوں کو بے عزت کرے تو ایسے لوگوں کی طبیعت صاف تو کرنی چاہیے ناں!“ سبین بدستور اپنے موقف پر قائم تھی۔

”نہیں بیٹا، اس کی کوئی ضرورت ہوتی، وقت سب سے بڑا استاد ہے، وہ ہر ایک کو ہر بات اچھی طرح خود سمجھا دیتا ہے......“ سلمیٰ بیگم نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

”اگر ایسا ہوتا ناں تو اصل بات کب کی اُن کی سمجھ میں آچکی ہوتی۔ بعض لوگ دوسروں کے تجربوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور ایسے لوگ ٹھوکر کھا کر ہی سمجھا کرتے ہیں۔“ سبین نے کہا۔

”اللہ نہ کرے کسی کو کوئی بھی پریشانی آئے۔ مگر مجھے تو وہ لڑکی جہاں بھی نظر آتی ہے، غصہ ہی آجاتا ہے، آج صبح بھی مجھے وہ اپنی خالہ کے ساتھ مال میں جاتی نظر آئی تھی۔ میں نے تو اپنا پروگرام ہی کینسل کر دیا۔“

”میں تو اس بات کا شکر کر رہی ہوں کہ یہ بات بڑھنے سے پہلے ہی ختم ہوگئی۔ اگر یہ سلسلہ چلنے کے بعد ختم ہوتا تو تمہارے بھائی کا دل تو مزید کھٹا ہو جاتا...... اور وہ شادی کا نام ہی نہ لیتا۔“

”ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ...... آپ تو اب اپنے لاڈلے سپوت سے یہ کہہ دیں کہ جو اچھی لگی...... وہ ہمیں بتادے، ہم بیاہ لائیں گے......لڑکی ڈھونڈنا بہت مشکل کام ہے۔“

”اتنی جلدی تھک گئیں تم...... جب بڑے کی شادی ہوگی تو چھوٹے کی ہوگی ناں......“

”آج کل لڑکے جو خود کر لیتے ہیں، وہ زیادہ بہتر ڈھونڈ لیتے ہیں...... میں تو واقعی تھک گئی۔“

”میں تو سوچ رہی تھی تم اپنی سسرال میں ہی ڈھونڈ لو...... لڑکیاں تو اچھی ہیں اور پھر تمہاری دیکھی بھالی بھی۔“

”نہیں اماں...... پھر وٹا سٹا ہو جائے گا، لڑکی تو باہر سے ہی لانی ہے مگر اب آپ بھائی سے کہہ دیں کہ جو انہیں اچھی لگ رہی ہے، وہ ہمیں بھی بتا دیں۔“ سبین بولی۔

☆☆☆

وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ڈنر کر کے واپس گھر جا رہا تھا۔ موڈ خاصا خوشگوار تھا...... سڑک پر ٹریفک کچھ کم تھا۔ اس نے گھڑی دیکھی...... رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔

”اُف کافی دیر ہوگئی ہے آج۔“ اس نے جیسے اپنے آپ سے کہا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ اور کچھ ہی دیر میں وہ اپنے گھر میں تھا...... اپنے کمرے میں جا کر اس نے اپنے موبائل فون پر ایک نظر ڈالی جو سائلنٹ تھا۔

”اُف، دس مسڈ کالز۔“ اچھا بھلا موڈ تناؤ کا شکار ہو گیا اور وہ خاصی برہمی سے جوابی کال کر کے بول پڑا۔

”میں نے تمہیں منع تو کر دیا ہے...... پھر کیوں میری جان کو آ رہے ہو۔ سیدھی بات کیا سمجھ میں نہیں آتی؟“

”دیکھو میرا اخبار ڈوب رہا ہے اور تمہیں اپنے دوست کے نقصان کا احساس تک نہیں۔“ فرید یاس بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”ابھی اخبار صحیح طرح سے نکلا نہیں اور یہ ڈوبنے بھی لگا۔“ ندیم کو اس کی بات پر ہنسی آگئی۔

”پری میچور تو جلدی ختم ہو سکتے ہیں ناں۔“

”ہو جانے دو، میں کیا کروں۔“ وہ پھر اپنی رو میں آگیا۔

”اگر یہ اخبار اپنی جگہ نہ بنا سکا ناں تو میرے حوصلے ٹوٹ جائیں گے پھر میں کچھ نہیں کر سکوں گا بس یار تو

آجاناں۔'' فرید اب خوشامدی لہجے میں کہہ رہا تھا۔
''مگر میں آکر کیا کروں گا...... اچھا خاصا اسٹاف ہے تمہارے پاس بس اُن سے صحیح طرح سے کام لو...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔''
''یہ کام تو ہی لے سکتا ہے۔ پلیز ندیم آجا۔'' فرید اب ملتجی لہجے میں اپنے دوست سے کہہ رہا تھا اور جب فرید کا بے حد جذباتی بلیک میلنگ ختم ہوا تو ندیم نے یہ کہہ کر فون آف کر دیا۔
''اچھا سوچوں گا۔'' اور فرید اپنے ہونٹ چبا کر رہ گیا...... اس کا دل چاہا وہ ہمیشہ کی طرح ندیم کو خوب باتیں سنائے جسے اس کی ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ مگر اندر سے اٹھنے والا جوار بھاٹا اس کے ہونٹوں تک نہیں آیا کہ اب وہ یہ دلخراش منظر دیکھنے کی ہمت کرنے لگا کہ اخبار کے بنڈل اس کی سوزوکی میں واپس آرہے تھے اور فرید دم سادھے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کے ورکر یہ بنڈل گودام میں رکھوار ہے تھے اور پھر وہ ندیم خان کو فون کر کے اتنا رویا کہ اسے احساس تک نہیں ہوا۔

☆☆☆

آنسو بھل بھل بہہ رہے تھے اور سبین کا کہا ہوا ہر لفظ میرے اوپر سنگ باری کر رہا تھا۔
''ابھی تک تم منگنی کی قیدی ہو ناں، منگنی دراصل ڈھکنی ہوتی ہے۔ اس میں لڑکی والوں کے ڈھنگ دیکھے جاتے ہیں۔ اور اس کی کوئی قانونی حیثیت تو ہوتی نہیں ہے جو لڑکے والے کسی کو جواب دہ ہوں...... اس لیے وہ بھاگ جاتے ہیں۔'' یہ امی اور خالہ نے اس عورت کو اس لیے بلایا تھا کہ وہ مجھے جہاں ملے باتیں سنائے۔
اس وقت گھر میں کوئی نہیں تھا...... اور میں خوب چیخ، چیخ کر رو رہی تھی۔ ورنہ ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتے ہوئے میری یہ آرزو تک پوری نہیں ہوتی تھی کہ خوب دھوم دھام سے رو تک سکوں۔ میری سہیلی کی نکاح کی تقریب میں سبین نے صرف مجھے اس لیے باتیں سنائی تھیں کہ امی نے انہیں اپنے گھر آنے کی اجازت دے دی تھی۔
کال بیل کی آواز سن کر میں نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے دروازہ کھولا۔ امی اور خالہ ہنستی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تھی۔ مگر میری سرخ آنکھوں کو دیکھ کر فوراً بولیں۔
''کیا بات ہے؟ یہ تمہاری آنکھیں لال سی کیوں ہو رہی ہیں؟''
''میں لوگوں کی باتیں سوچ کر بہت خوش ہو رہی تھی...... اس لیے وہ بھی سرخ ہو گئیں۔''
''کس کی بات نے تمہیں یوں لہولہان کر دیا؟'' امی نے تڑپ کر پوچھا۔
''جن کو آپ نے اپنے گھر مدعو کیا تھا جن کے سامنے ناشتے کی میز سجائی تھی...... جو جاتے ہوئے بھی مجھے باتیں سنا کر گئیں...... اور جہاں، جہاں مجھ سے ٹکرائیں گی اپنے لفظوں کی برچھیوں سے مجھے چھلنی کرتی رہیں گی۔''
''دماغ تو نہیں خراب ہو گیا اُن کا......'' فرح خالہ کو غصہ ہی آ گیا۔
''خالہ، غلطی تو آپ کی اور امی کی ہی ہے کہ آپ نے کسی کو اپنے گھر میں کیوں بلایا...... جبکہ میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی ہوں۔''
''ارے ہم نے تو اس وجہ سے بلا لیا تھا کہ لڑکا اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا...... ہمارا خیال تھا کہ تمہیں بھی پسند آجائے گا......'' خالہ نے کہا۔
''اگر ذرا بھی یہ اندازہ ہوتا کہ الٹے دماغ کے لوگ ہیں تو کبھی نہ بلاتے۔''
''ہونہہ، آج کل بظاہر خوب اچھے لوگ بھی انتہائی خراب ہوتے ہیں۔'' میں نے جل کر کہا اور کمرے میں چل دی۔
''اگر میں پہلے ہی دن ان سبین صاحبہ کی طبیعت اچھی طرح صاف کر دیتی تو اُن کی یہ ہمت نہیں ہوتی مجھے اس طرح باتیں سنانے کی۔ ہونہہ بڑی تو فکی ہے اپنے بھیا پر...... جیسے کہیں کا لاٹ صاحب ہو وہ۔'' اب میں از خود

بڑبڑا رہی تھی۔

"توبہ ہے، میں اس چھچھوری سی عورت کی وجہ سے رو رہی ہوں۔" اپنے آنسو میں نے خود ہی پونچھے۔

"اگر اب سین تو کیا اس کا وہ شہزادہ بھیا بھی سامنے آگیا ناں تو ان کو چٹکی بجاتے میں فارغ کردوں گی...... یوں" (انگلی سے چٹکی بجاتے ہوئے) میں ہنسی۔

☆☆☆

اُدھر وہ گاڑی چلاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد مجھ سے دوستی کی خواہش مند ہے اور منع کرنے کے باوجود مختلف بہانوں سے میرے قریب آنے کی کوشش کرتی ہیں۔ فیس بک پر نوے فی صد لڑکیاں روزانہ فرینڈ ریکوئسٹ بھیجتی ہیں اور...... ایک لڑکی نے اسے ریجیکٹ کردیا۔

"آخر...... وہ اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے...... ؟ اور ہے کون...... ؟ ہونہہ اگر سامنے کبھی آئی تو صرف دو منٹ میں اس کی طبیعت صاف نہیں کی تو میرا نام بھی ندیم خان نہیں۔"

اس نے سوچا اور اب اس کی گاڑی گھر تک پہنچ گئی تھی آج ویک اینڈ پر اماں سین آپا کی طرف گئی تھیں اور چھوٹا بھائی اپنے آفس کے کام سے دوسرے شہر گیا ہوا تھا...... سو وہ خاصی دیر سے گھر میں داخل ہوا تھا۔

"صاحب جی...... کھانا لاؤں؟" ملازم نے پوچھا۔ اور وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہیں لاؤنج کے صوفے پر پیر پھیلا کر بیٹھ گیا اور صوفے کی بیک پر اپنی گردن ٹکالی۔ اور آنکھیں بند کرلیں۔ وہ بے حد تھک گیا تھا۔ اس لڑکی کا انکار ہنوز اس کے مزاج کو چڑچڑا سا کر رہا تھا۔

"پہلے شاور لے لوں پھر بیڈ روم میں جا کر اپنا کچھ کام کروں گا۔" یہ سوچ کر تاول لے کر وہ واش روم کی جانب بڑھا ہی تھا تو اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے اکتائی ہوئی نظر موبائل پر ڈالی تو اس کی اسکرین پر فرید کا نام جگمگا رہا تھا۔

"یا وحشت! کیا مصیبت ہے بھئی...... ایسی کون سی بات ہے جو تم یوں بار، بار مجھے فون کر رہے ہو؟" اس کا لہجہ خفگی بھرا تھا جیسے اسے ڈسٹرب کردیا گیا ہو۔

"میری بات بھول گیا کیا؟ پھر بتاؤں میں؟" فرید جل کر بولا۔

"ہاں پھر بتاؤ؟ میں اتنا فارغ نہیں ہوں جو فالتو کی باتیں یاد رکھوں...... مجھے کچھ یاد نہیں ہے کہ تم نے کیا بکا تھا...... ہاں ذرا رک، پہلے میں شاور لے لوں پھر تجھ سے بات کرتا ہوں۔"

"نہیں، پہلے میری بات سنو۔" فرید پھر دہاڑا۔

"اچھا بول، کیا کہنا ہے؟" وہ ٹاول بیڈ پر پھینک کر وہیں قریبی صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ندیم یار...... میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا میرا اخبار جوائن کرلو...... تو تم میری بات کیوں نہیں مان لیتے...... میری پریشانی کا آخر تمہیں احساس کیوں نہیں ہے؟"

"مگر میں نے حامی ہی کب بھری تھی...... میں نے تو تمہیں اسی وقت منع کردیا تھا ناں۔"

"تم نے کہا تھا کہ میں سوچوں گا......" فرید کا لہجہ دھیما پڑا۔

"ہاں میں نے سوچ کر ہی منع کیا تھا...... اور کئی بار منع کیا تھا۔ یاد کرو تم کہ تمہاری اس بات پر میں نے بھلا کتنی بار حامی بھری ہے؟ اپنا حافظہ تو ٹھیک کرلو پہلے۔" اس نے لفظوں کو چباتے ہوئے کہا۔

"مگر یار...... تو آجا...... چاہے پارٹنر شپ میں آجا...... مگر میرے اخبار کو آکر دیکھ لے...... مجھے پتا ہے تیرے آنے سے وہ چلے گا نہیں بلکہ بھاگے گا اور خوب تیز بھاگے گا...... ہاں۔"

"فرید تم، شیخ چلی کی طرح خواب دیکھنا چھوڑ دو...... میری مجبوری سمجھو...... میں ان دنوں مصروف ہوں اور

یوں بھی میرا تجربہ انگریزی اخبار میں کام کرنے کا ہے، میں اردو اخبار کو نہیں چلا سکتا......'' اس نے صفا چٹ انکار کر دیا۔

''پلیز ندیم......اپنے اس دوست کو جس کو کبھی تم اپنا جگری دوست کہا کرتے تھے، اس کے اخبار کو گرتے ہوئے کیا تم بخوشی دیکھو گے۔'' اب فرید کا لہجہ دکھی سا تھا۔

''یار میرے گھر تک میں کوئی اردو اخبار نہیں آتا بغیر تجربے کے میں کیسے کام کر سکتا ہوں......اس لیے پلیز......اس موضوع کے علاوہ دوسری بات کر۔''

''یہ بات تم کہہ رہے ہو۔'' فرید کا لہجہ ہنوز ملتجی سا تھا۔

''ہاں یار...... مجھے وحشت ہوتی ہے، ایسی باتوں سے ایسے کاموں سے......جن میں مجھے رتی بھر دلچسپی نہ ہو اور وہ مجھے کرنے کو کہا جائے......میں نہیں کر سکتا بھئی......تم سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''اچھا، اب تو اترا رہا ہے یا قابل بن رہا ہے۔''

''ایسی باتوں کی مجھے کبھی نہ عادت رہی ہے اور نہ تجربہ ہے۔''

''ہاں اپنے دوستوں کی بھی اب شاید تجھے عادت نہیں رہی ہے......وہ دوست جو تجھے اسکول میں شریر بچوں سے بچایا کرتا تھا......وہ دوست جو تیرے سیمینار کی کامیابیوں کے لیے ہمہ وقت دعائیں مانگا کرتا تھا، وہ دوست جو تجھے ان لڑکیوں تک سے بچایا کرتا تھا جو شہد پر بھنکنے کے بجائے تیری پرسنالٹی کے اردگرد جمع ہو جایا کرتی تھیں۔''

''ٹھیک ہے تم میرے دوست تھے......اگر ایسا کچھ کر لیا تو یہ تمہارا فرض بھی تھا۔'' وہ ہنس کر اسے چڑانے والے انداز میں بولا۔

تب فرید نے اسے اتنی سنائیں......اتنی کہ وہ چپ چاپ اس کی ہر بات شربت کے گھونٹ کی طرح اتارتا رہا......اور جب وہ بولتے بولتے تھک گیا تو وہ بولا۔

''جتنے احسانات جتانے تھے وہ تم نے جتا دیے......اب ٹھنڈا یخ پانی پی لو کہ کہیں اخبار سے پہلے تم ہی تم گر جاؤ کہ گرے ہوئے انسان تو تم ہو ہی۔'' فرید اس کی بات پر مزید کچھ کہتا......مگر ایک ہنسی کے ساتھ وہ موبائل آف کر چکا تھا۔

شاید وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو تپانے میں ماہر تھے۔

☆☆☆

''یہ فرید اس سے قبل ایسا تو نہیں تھا۔'' فریش ہو کر وہ اپنا پسندیدہ جوس پیتے ہوئے سوچ رہا تھا اور کتاب کی ورق گردانی بھی کر رہا تھا۔

''میرا بے حد پرانا دوست، اسکول سے یونیورسٹی تک کا ساتھی آج کتنا پریشان ہے۔'' اسے دکھ سا ہوا۔ تب اچانک ہی اس کی نظریں کتاب پر جم گئیں جس میں لکھا تھا۔

''زندگی جب بہتر ہوتی ہے جب آپ خوش ہوتے ہیں لیکن زندگی تب بہترین ہوتی ہے جب آپ کی وجہ سے کوئی دوسرا خوش ہوتا ہے۔''

''ہوں۔ یہ تو ہے۔'' کتاب بند کر کے وہ گہری سانس لے رہا تھا۔

''مگر آج کل تو کوئی کسی کو خوشی دینے کے بجائے دکھ دے کر زیادہ خوش ہو رہا ہے......'' یکبارگی اس نے سوچا۔

''ہاں بالکل......ایسا ہی ہو رہا ہے، ایسا ہی چل رہا ہے۔'' جیسے اس کے دل نے کہا۔

''مگر میں تو ایسا نہیں ہوں......تو پھر......تو پھر کیا مجھے بھی ایسا ہی ہو جانا چاہیے......؟'' دیکبارگی اس نے

سوچا...... کتاب تیزی سے بند کی...... گلاس میز پر پٹخا...... اور اب وہ تیزی سے موبائل پر نمبر ملا رہا تھا۔

☆☆☆

اس نے فون اٹھایا تو دوسری طرف فرزانہ تھی۔

''صبو...... کل میں آفس ذرا لیٹ آؤں گی، تم باس کو بتا دینا۔''

''تم تو روز ہی دیر سے آتی ہو...... اور یہ بات تو وہ بخوبی جانتے ہیں۔'' مجھے ہنسی آگئی۔

''مگر کل شاید زیادہ دیر ہو جائے۔'' وہ بولی۔

''تو تم کب تک پہنچو گی؟''

''شاید دو ڈھائی تک۔'' اس نے بتایا۔

''اور پانچ بجے گھر کے لیے نکل جاؤ گی۔''

''ظاہر ہے ایک گھنٹے کا تو میرا راستہ ہے بھئی۔''

''تو پھر، پوری ہی چھٹی کیوں نہیں کر لیتی ہو۔'' میں نے مشورہ دیا۔

''چھٹی کرنے سے فرید صاحب زیادہ ناراض ہو جاتے ہیں، بس اسی وجہ سے آ رہی ہوں...... ورنہ میرا تو چھٹی کرنے کا ہی موڈ ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں بتا دوں گی۔''

''ہاں تم لوگ لنچ مت کرنا...... میں مزے دار سندھی بریانی لے کر آؤں گی۔''

''ریئلی......!''

''ہاں یار...... لنچ پر مہمان آ رہے ہیں...... ان کی ٹیبل سیٹ کر کے باقی میں آفس لے آؤں گی۔''

''یہ تو زبردست نیوز ہے بھئی...... ہمارے بگ باس تو ویسے بھی بریانی کھانے کے شوقین ہیں۔''

''نہیں، بھئی ان کو نہیں دینی...... ورنہ جب غصے میں جھاڑیں گے تو کہیں گے آپ لوگوں کے پاس بریانی کھا کر باتیں بنانے کے سوا کوئی کام ہے۔''

''ہاں اس طرح تو ہوتا ہے۔'' میں ہنسی۔

''صبو، تمہیں خاص خبر معلوم ہے۔''

''کون سی خبر؟''

''اپنے بگ باس، کسی توپ چیز کو اپنے اخبار میں لانا چاہتے ہیں۔''

''وہ کیوں؟''

''تاکہ کوئی توپ آ کر آفس میں پھٹ پڑے۔''

''اللہ نہ کرے۔'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''اور اللہ نہ کرے...... میں کبھی سبین سے دوبارہ ملوں'' میرے دل نے چپکے سے یہ دعا مانگی...... جو لوگ مجھے دکھ دینا چاہتے ہیں اُن سے میں کبھی ملنا نہیں چاہتی۔

☆☆☆

''اماں، وہ پگلو لڑکی مجھے کل پھر مال میں نظر آئی تھی۔'' سبین اماں سے کہہ رہی تھی۔

''تو پھر...... کیا اس نے تم سے کچھ کہا؟'' سلمیٰ بیگم نے بیٹی سے پوچھا۔

''وہ کیا مجھ سے کچھ پوچھتی...... میں نے تو اس کو دیکھ کر ہی اپنا راستہ تبدیل کر لیا تھا...... وہ اپنی سہیلیوں کے

گروپ کے ساتھ تھی پتا نہیں...... کیوں...... یہ لڑکی...... مجھ سے بار، بار کیوں ٹکرا رہی ہے؟'' اندر کمرے میں...... ندیم تیار ہوتے ہوئے یہ جملے سن کر اپنے آپ سے بولا۔

''کاش یہ لڑکی...... ایک مرتبہ مجھ سے ٹکرا جائے تو میں بھی تو دیکھوں کہ موصوفہ کتنے پانی میں ہیں۔''

''اماں، اس لڑکی کو دیکھ کر پتا نہیں مجھے اتنا غصہ کیوں آجاتا ہے...... اور پھر بعد میں تاسف بھی ہوتا ہے۔''

''شاید اس لیے کہ ہمارے ہاں رشتے ناتوں میں ہاں یا نہ گھر کے بڑے کیا کرتے ہیں...... مگر اس نے ازخود ہی جواب دے دیا تھا جو شاید ہمیں ناگوار گزرا......''

''ہاں طنطنہ تو بہت تھا اس میں۔'' سبین بولی۔

''اور مجھے تو ایسی لڑکیاں ہی بری لگتی ہیں۔'' ندیم اسپرے کرتے ہوئے گویا اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔''اچھا ہوا اس نے خود ہی منع کر دیا...... ورنہ یہ کام مجھے کرنا پڑ جاتا۔''

''اماں کبھی، کبھی تو میرا دل چاہتا ہے ایک خط لکھوں ان محترمہ کو اور اسے بتاؤں کہ لوگوں سے گفتگو کرنے کے آداب کیا ہوتے ہیں۔'' سبین نے ہنس کر کہا۔

''آپا...... آپ کیا کسی کی ٹیچر ہیں...... جو لوگوں کو فری میں ایجوکیٹ بھی کریں گی۔'' اب وہ کمرے سے باہر آکر اپنی ماں، بہن کی گفتگو میں شریک ہو چکا تھا۔

''مگر آج کل کسی کو جب تک آئینہ نہ دکھایا جائے اسے اپنی شکل بلکہ اصلی شکل نظر نہیں آتی۔''

''پلیز آپا...... ایسا کچھ مت کیجیے گا، جس راہ ہمیں جانا ہی نہیں تو اس سے رابطہ ہی کیوں رکھیں۔ اور ہاں آپ بے شک اچھی رائٹر بھی ہیں مگر پلیز ان محترمہ کو کبھی لیٹر مت لکھ ڈالیے گا کہ کل کلاں کو کوئی جھاڑ کے کانٹوں کی طرح پریشان کرنے آجائے۔''

☆☆☆

گھر میں داخل ہوئی تو ایک اجنبی تحریر کا لفافہ میری ٹیبل پر رکھا تھا......''یہ آج شام آیا ہے۔ ڈاک سے۔'' فرح خالہ نے مجھے بتایا...... اور میرا آف سا موڈ دیکھ کر بولیں۔''پہلے چائے پی لو...... اس کو بعد میں پڑھنا۔''

مگر میں نے بے دلی سے وہ لفافہ اٹھایا...... کھولا، پڑھا اور پھر بے اختیار ہنستی چلی گئی۔

''الٰہی خیر، کس بات پر اتنی ہنسی آرہی ہے تمہیں، اپنے آفس سے تو منہ بناتی ہوئی آئی تھیں...... اور اپنی ڈاک دیکھ کر ہنسی ہی نہیں رک رہی...... کیا کسی نے لطائف کی گٹھڑی بھیج دی ہے۔'' فرح خالہ اسے حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

''خالہ، آج ایک پروڈکشن ہاؤس سے جاب کی آفر اس شرط کے ساتھ آئی ہے...... کہ آپ کو کم از کم دس رائٹرز کو بھی لانا ہوگا......'' میں پھر ہنسی...... (لوگوں کے شاطر دماغوں کا واقعی کیا کہنا تھا)

''ظاہر ہے جب تک لکھنے والے نہیں ملیں گے یہ پروڈکشن ہاؤسز صرف فنکاروں کو بک کر کے تو ڈرامے نہیں تیار کر سکتے ناں۔''

''وہ بیچارے بھی کیا کریں...... انہیں بھی تو اپنا کام چلانا ہے۔'' امی کو ہر ایک سے بے وجہ کی ہمدردی ہو رہی تھی۔

''نہیں امی، یہ طریقہ درست نہیں ہے۔ یہ جاب لیٹر پڑھ کر تو مجھے گلی، گلی کھلنے والے وہ چھوٹے، چھوٹے سے اسکول یاد آرہے ہیں جس میں وہاں کی ٹیچر کی تنخواہ اس کمیشن سے منسلک ہوتی ہے کہ وہ اپنے ساتھ کتنے بچوں کا مذکورہ اسکول میں داخلہ کرواتی ہے۔''

''صبا تم یہ کیوں نہیں مان لیتیں کہ رائٹرز کی ویلیو کوئی خاص نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی ایڈیٹر کی۔'' فرح خالہ کو بھی

ایسا کھرا سچ بولنے کی عادت تھی جسے سن کر دوسرا تلملا جائے۔
''مگر میں تو منوا کر رہوں گی...... اور یہ باور کراؤں گی کہ کسی بھی ڈرامے، سوپ، اخبار اور میگزین کی کامیابی پہلے اس کے رائٹرز کی مرہونِ منت ہوتی ہے اور پھر اس کے ایڈیٹر کی بھی کہ وہ اپنے گلدان کو کن پھولوں سے ترتیب دیتا ہے اور کس نفاست اور مہارت سے کس پھول کو کس جگہ پر لگاتا ہے۔''
''ہونہہ...... منوا چکیں تم یہ سب اپنے خواب......'' فرح خالہ نے تمسخر سے ہنس کر چائے کا مگ مجھے تھمایا اور بولیں۔ ''بیٹا چائے پیو...... اور فریش ہو جاؤ...... بیکار کی باتوں میں اپنا سر کیوں کھپا رہی ہو۔'' آفس سے آتے ہی مجھے چائے کی طلب ہوا کرتی تھی...... اور میں ٹی وی دیکھتے ہوئے باتیں بھگارتے ہوئے چائے پینے کی بھی عادی تھی...... مگر آج میں نے چائے کے مگ کو واپس ٹرے میں رکھ دیا۔
''ارے کیا ہوا...... طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری...... آج تم چائے نہیں پیو گی؟'' خالہ نے مجھے تمسخرانہ انداز میں نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔
''دل نہیں چاہ رہا...... بس......'' میں نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔
''اگر تمہارا دل قلفی، جوس، آئس کریم اور چاٹ کھانے کو چاہ رہا ہے تو تمہاری یہ پیاری سی خالہ تمہیں دو منٹ میں باہر لے جا کر کھلا سکتی ہے۔''
''نہیں خالہ اس وقت بالکل بھی کچھ کھانے پینے کا موڈ نہیں ہے...... آفس میں زیادہ ہو گیا تھا۔'' یہ کہہ کر میں اپنے کمرے کی طرف چل دی کہ آج میرا دل نہ جانے کیوں ماندہ ماندہ سا تھا۔
اپنے بستر پر لیٹی تو آنکھیں خود ہی پُرنم سی ہو گئیں...... اور اب میں اپنے ہاتھ میں کڑا گھماتے ہوئے آزردہ سی تھی...... اور کوئی میری شکل دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ لڑکی چند منٹ پہلے خوب ہنس رہی تھی۔

☆☆☆

شہلا آج اسکول بھی چار دن کے بعد آئی تھی اور حارث کو دیکھے ہوئے بھی پورے پانچ دن ہو گئے تھے۔ اور اسے یوں لگ رہا تھا کہ نہ جانے کتنا عرصہ گزر گیا ہو اور اس نے حارث کی جھلک بھی نہیں دیکھی ہو...... اسکول میں ان دنوں امتحانی سیزن چل رہا تھا...... اور اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا...... وہ چھٹی ہونے سے قبل ہی اسکول سے اٹھ گئی...... غیر ارادی طور پر اس کے قدم بینک کی جانب بڑھ رہے تھے۔
''پتا نہیں، آج حارث سے ملاقات ہوتی بھی ہے یا نہیں...... طرح طرح کے وسوسے اس کے دل میں آ رہے تھے...... مگر وہ اپنی دھن میں مست چلی جا رہی تھی۔
بینک میں داخل ہوئی تو وہ اسے اپنے شیشے کے کیبن میں کام کرتا ہوا نظر آیا۔ وہ سیدھی اسی کے پاس پہنچی...... حارث نے نظر اٹھا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا...... جیسے پوچھ رہا ہو جی فرمائیں۔
''سر آج میری سالگرہ ہے۔'' اس نے بات بناتے ہوئے کہا۔
''رئیلی!'' وہ قصداً مسکرایا۔
''جی، میں نے سوچا...... آخر آپ کے بینک کی کلائنٹ ہوں تو یہ بات آپ کو تو بتانی چاہیے۔''
''مبارک ہو۔'' وہ مسکرایا...... اور قریب رکھی شیلف سے ڈائری، کی چین اور بینک کا پاؤچ دیتے ہوئے کہا۔
''یہ ہماری جانب سے آپ کی سالگرہ کا گفٹ۔''
''ارے آپ مجھے گفٹ دے رہے ہیں۔'' شہلا کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا...... اور وہ سب چیزیں تھامتے ہوئے اسے یوں لگ رہا تھا جیسے ہفت اقلیم کی کوئی دولت اسے مل گئی ہو۔

”مس، آپ ہماری کلائنٹ ہیں، یہ تو آپ کا حق ہے۔“ حارث اپنے پیشہ ورانہ لہجے میں بولا کہ اس طرح کے گفٹ وہ عموماً اپنے کلائنٹس کو مختلف مواقع پر دیا کرتا تھا۔

مگر شہلا کو یوں لگا جیسے وہ کہہ رہا ہو جہاں پیار ہوتا ہے وہاں محبت کرنے والے ایک دوسرے کو تحفے بھی ضرور دیا کرتے ہیں...... میں نے یہ ڈائری تمہیں اس لیے دی ہے کہ میرے بغیر جو وقت تم جس کرب میں گزارتی ہو اس کا سارا احوال لکھنا اور جب تقدیر ہمیں اکٹھا کرے گی...... تب میں مسکراتے ہوئے یہ سب پڑھوں گا...... اور وعدہ کروں گا کہ زندگی کا کوئی بھی پل تمہارا میرے بنا نہیں گزرے گا۔

☆☆☆

ذکیہ نے کریم کو بتا دیا کہ شہلا کو تمہارا رشتہ کسی صورت منظور نہیں ہے۔

”خالہ جب منظور نہیں تھا تو آپ نے قبول کیوں کیا تھا۔“ کریم کا غصہ بھی بجا تھا۔ اب خاندان میں اس پر ہر طرف سے ہوہو، ہی ہی۔ ہو رہی تھی جو اس کے لیے سنگ باری سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔

”تم یہ سمجھو کہ شہلا نے تم سے منگنی توڑ دی ہے۔“

”اس کی یہ ہمت...... آپ نے اس کا سر نہیں توڑا۔“

”جب باپ ہی اس بے غیرت کے سامنے خاموش ہو جائے تو میں کیا کر سکتی ہوں...... میں تو پھر سوتیلی ماں ہوں وہ مجھے بہ حالتِ مجبوری امی تو ضرور کہتی ہے...... مگر دل سے اس نے کبھی مجھے ماں نہیں سمجھا ہے......“ ذکیہ نے زہر اگل ہی دیا۔

”پھر تو آپ کی تربیت میں ہی کہیں کمی رہ گئی۔“ کریم نے جل کر دل کی بھڑاس نکالی۔ اس وقت اسے خالہ کی نہ شکل اچھی لگ رہی تھی اور نہ ہی بات۔

”تمہارا جو دل چاہے کہہ لو...... مگر میں تو ان باپ، بیٹی کے درمیان چٹنی بنی ہوتی ہوں...... کہ اس گھر میں یا تو شہلا کا... حکم چلتا ہے یا پھر اس کے باپ کا...... میری تو اس گھر میں نہ کوئی ویلیو ہے اور نہ ہی کوئی وجود۔“ ذکیہ بیگم نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے شروع کیے...... تو اپنی اوقات ازخود دو کوڑی کی کر کے رکھ دی۔

☆☆☆

جب سے وہ حارث سے اس کے بینک کے گفٹس لے کر آئی تھی، گھر آ کر اس کا زیادہ وقت اُن کو ہی دیکھنے میں گزرتا۔ وہ ان چیزوں سے باتیں کرتی...... ان سے مذاق کرتی اور اس ڈائری کو سینے سے لگا کر رویا بھی کرتی۔

حارث کو ایک خوب صورت لڑکی سے جتنا متاثر ہو جانا چاہیے تھا اتنا وہ ہوا نہیں تھا۔ یہ صدمہ شدید تھا، جسے وہ اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیتی تھی۔

”مجھ میں آخر کس چیز کی کمی ہے...... پورے خاندان میں کوئی مجھ جیسی لڑکی نہیں ہے، جس اسکول میں جاب کر رہی ہوں وہاں دونوں شفٹوں کے اسٹاف میں کوئی میرا ہمسر نہیں...... اور اس کے باوجود حارث نے یہ کبھی نہیں کہا تھا کہ اس کے گھر اس کی ماں آنا چاہتی ہیں یا وہ نہیں چاہتا...... کہ وہ اسکول کی جاب کرے...... وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کا بینک جوائن کرے...... جہاں وہ ہر روز وہ اس کو دیکھتا رہے اور اپنی دل کی باتیں اس سے کرتا رہے۔

☆☆☆

اخبار کے دفتر میں، میں ہفتہ وار میگزین کی انچارج تھی۔ روزانہ کی خبروں سے میرا کوئی لینا دینا نہیں تھا...... مگر یہ عمارت خاصی چھوٹی تھی اس لیے نیوز روم کی ہلڑ بازیاں بھی سب کے سامنے آشکار تھیں...... آج میں اپنے میگزین کی پیسٹنگ میں مصروف تھی...... صبح سے ہی فرید صاحب کے ڈکرانے کی آوازیں میرے کیبن تک آ رہی تھیں......

وہ نیوز ایڈیٹر پر خوب گرج رہے تھے۔
"ابے یہ اخبار کی سرخی لگائی ہے تو نے...... ساری سیاسی پارٹیاں اب متحد ہو کر پارلیمنٹ میں کام کیا کریں گی۔"
"ہاں سر...... موجودہ انتشار سے بچنے کی یہ واحد صورت ہے۔"
"ارے پاگل، یہ اخبار ہے...... اس میں جب تک مسالے دار خبریں نہیں لگیں گی اس کو کوئی خرید لے گا نہیں، یہ کسی خاتون کی سرخی نہیں ہے۔"
"سر سرخی لگانے کو کیا میں آئٹم سانگ سمجھوں؟"
"ہاں بالکل...... جب تک اخبار کی سرخی پھڑکتی ہوئی نہیں ہوگی اخبار میں جان کیسے پڑے گی۔"
"او کے سر۔" نیوز ایڈیٹر مزید رک کر کچھ سننے کے بجائے خود ہی تیزی سے واپس اپنے کیبن میں چلے گئے...... جہاں جا کر اب وہ اپنے اسسٹنٹ پر چلّا رہے تھے۔ اور صبا اپنا کام مکمل کرنے کے بجائے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔
فرید صاحب لاؤنج میں بیٹھے زوردار آواز میں سب لوگوں کو سنا رہے تھے۔ "ہمارے اخبار میں، ندیم خان جوائن کرنے والا ہے اور جب وہ تم کو سیدھا کرے گا تب تمہیں پتا چلے گا کہ کام کیسے کیا جاتا ہے۔ مفت کی روٹیاں تو تم لوگوں نے خوب توڑ لیں۔ اور اب یہ لگ پتا جائے گا کہ ندیم خان ہے کیا چیز؟"
چائے کی بریک میں مس ناعمہ نے فرید صاحب سے پوچھا کہ ندیم خان آخر ہے کون؟
"اس اخبار کا ایڈمنسٹریٹر...... جو سارا انتظام دیکھے گا اور چلائے گا۔"
"کیا اخبار کا ایڈیٹوریل بھی وہی لکھا کریں گے؟" نیوز ایڈیٹر نے ہمت کر کے پوچھا کہ آج ان کے اداریے

کے بھی بخیے ادھیڑ دیے گئے تھے۔

''ہاں ادار یہ بھی وہی لکھے گا...... اور اشتہارات تک کو پہلے وہ او کے کرے گا بعد میں وہ شائع ہوں گے...... چاہے وہ تلاش گم شدہ بھینس کا ہی اشتہار کیوں نہ ہو۔'' فرید صاحب تو اپنی تقریر ختم کر کے چلے گئے...... مگر آفس کے ماحول میں لطیفے بکھر گئے۔

''ہونہہ بڑے اشتہارات آئے ہیں ناں اس اخبار میں جو پہلے وہ ایڈیٹر دیکھے گا......'' علی اور ساجد نے ہنسی اڑائی۔

''ارے وہ ہماری غلطیاں پکڑے گا...... تلاش گم شدہ بھینس تو... بھورے رنگ کی تھی اشتہار میں کالی کیسے چھپ گیا......'' فرزانہ بھی مضحکہ اڑانے میں کم نہیں تھیں۔

فرید صاحب کو ہی بکواس کرنے اور چیخنے چلانے کی عادت کم نہیں تھی...... اور اب کوئی ان سے بھی بڑھ کر آرہا ہے...... یہ خبر کسی کو بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

''مجھے اگر یہاں کام کرنا دوبھر لگا تو پہلی فرصت میں اسے چھوڑ دوں گی...... میرے پاس تو دوسری جگہ کام کرنے کی آفر موجود ہے۔'' میں نے اپنے آپ کو تسلی دی۔

اور پھر فرید صاحب کا روزانہ کا ہی یہ دستور بن گیا...... کہ ہمارے لنچ ٹائم میں وہ ندیم خان کا نام لے، لے کر ہم سب ورکرز کو خاصا ڈرانے کی کوشش کرتے...... جیسے کوئی ایڈمنسٹریٹر نہیں کوئی ڈکٹیٹر آرہا ہو...... اور ہم کسی اخبار میں نہیں اس کے ذاتی ملازم ہوں۔

''ندیم خان کا مزاج میرے جیسا نہیں ہے، اس میں نہیں ہے نرمی...... میری طرح کہ دیر سے آنے والوں کو کچھ نہ کہوں اور ان کی سنائی ہوئی جھوٹی، سچی کہانی پر آنکھ بند کر کے یقین کرلوں۔''

''سر اخبار کے دفتر میں ہمارے آنے کا تو ٹائم ہے مگر جانے کا تو کوئی ٹائم نہیں ہوتا...... جب تک پرچہ پریس میں نہیں چلا جاتا ہم کہاں ہلتے ہیں۔'' نیوز ایڈیٹر نے خاصا تنگ کر کہا تھا۔

''ارے یہ میں کب کہہ رہا ہوں...... یہ اخبار ہے کس کا...... آپ ہی لوگوں کا تو ہے۔ اس کے مالک کون ہیں...... آپ لوگ مگر جب یہ نقصان میں جاتا ہے تو اس کا خمیازہ بھگتنے والا اکیلا صرف میں ہی ہوتا ہوں۔'' وہ باتوں کی پٹریاں اس تیزی سے بدلا کرتے تھے۔ کہ ناعمہ کا یہ پکا خیال تھا کہ اس اخبار کو نکالنے سے پہلے وہ یقیناً ریلوے میں گارڈ تو ضرور رہے ہوں گے۔

اور پھر پورا ہفتہ یوں ہی گزر گیا...... فرید صاحب کی تقریریں بھی خود ہی کمزور پڑنے لگیں۔

''دیکھو...... ندیم خان کب تک ہمیں جوائن کرتا ہے۔'' وہ اس طرح کہتے جیسے کہ اب انہیں خود بھی یقین نہ ہو۔

''ہونہہ...... اگر کوئی اس اخبار کو جوائن کرنے والا ہوتا تو کب کا آچکا ہوتا......'' فرزانہ نے مجھے رازداری سے بتایا۔

''کیا اس طرم خان نے آنے سے منع کر دیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''شاید ہاں......''

''شاید کا کیا مطلب...... یا تو وہ آرہا ہو گا یا نہیں؟'' میں نے وثوق سے پوچھا۔

''میں نے کئی بار سنا ہے، سر فون پر خوشامدی لہجے میں کسی ندیم خان سے باتیں کرتے ہوئے اسے آنے کے لیے کہتے تو ہیں۔''

''تو پھر......؟''

''وہ روزانہ آنے کی حامی بھی بھرتا بھی ہوگا......اور......''
''مگر وہ آتا نہیں ہے۔'' فرزانہ کا ادھورا جملہ مکمل کر کے میں ہنس پڑی۔
''ہاں' مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے......کہ وہ آنا ہی نہیں چاہتا؟''
''اس کے نہ آنے کی کوئی وجہ تو ہوگی۔'' میں نے کہا۔
''شاید......یہ اخبار اس کے حساب سے نہیں ہوگا......وہ ہوگا کوئی توپ چیز......'' فرزانہ بولی۔
''یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی......محنت سے ہر چیز اوپر جاسکتی ہے اور محنت نہ کرنے سے کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی نیچے آسکتی ہے۔''
''اب یہ سب کون دیکھتا ہے......چلتی ہوئی چیزیں لوگوں کو زیادہ اٹریکٹ کیا کرتی ہیں۔'' ناعمہ کا تجزیہ بالکل صحیح تھا۔ اور اس کی باتیں سن کر مجھے بھی یہ یقین ہو چلا تھا کہ اس اخبار کو جوائن کرنے والا کوئی ندیم خان کبھی نہیں آئے گا اور ہمارے باس صرف اس کے نام کو اسی طرح استعمال کرتے رہیں گے۔

☆☆☆

''بعض لوگ شاید کم سخن ہوتے ہیں......'' وہ اپنے آپ کو دلاسہ دیتے ہوئے سمجھایا کرتی۔
''اور خوب صورت ہیرو......تو پہلے من ہی من میں اپنی ہیروئن کو چاہتا ہے......اور بعد میں اظہار کرتا ہے۔
ہونہہ ایسا بھی کیا محتاط انداز......کہ کوئی دل کی بات کسی سے کہہ ہی نہ پائے۔''
وہ اپنے آپ سے ہی باتیں کرتی رہتی......اور اس کی یہ روش دیکھ کر ایک شب راحیلہ نے اس سے پوچھا۔
''کیا حارث سے آپ کی فون پر بات چیت نہیں ہوتی جو آپ ہر وقت خود سے باتیں کرتی رہتی ہیں۔''
''ہاں کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔'' اس نے بات بنائی۔
''میں سمجھی نہیں۔'' راحیلہ نے حیرت سے پوچھا۔
''میرا مطلب ہے کہ وہ مصروف بہت ہوتے ہیں ناں......تو جب انہیں فرصت ہوتی ہے تو بات کر لیتے ہیں......ورنہ ظاہر ہے۔'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولی۔
''ایسے کون سے بینک میں وہ جاب کرتے ہیں جہاں اُن کی مصروفیات چوبیس گھنٹوں کی ہوتی ہے۔''
''اکلوتے بیٹے ہیں نہ کوئی بھائی نہ کوئی بہن تو گھر آ کر ماں سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔''
''آپا اس سارے منظر میں مجھے تو تم کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی ہو۔'' راحیلہ کے لہجے میں دکھ تھا۔
''ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتا ہے......تم جو دیکھنا چاہو گی وہ تمہیں نظر آئے گا......اور جو میں دیکھنا چاہوں گی وہ مجھے نظر آجائے گا۔ کیوں ٹھیک ہے ناں......''
''اوہ تو یہ بات ہے، آپ موصوف کو دل کی آنکھوں سے دیکھا کرتی ہیں۔'' راحیلہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی۔
''ہاں دل سے بھی اور جگر سے بھی......اور ہاں تمہیں اس معاملے میں نہ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی مجھ پر رحم کھانے کی۔''
اور راحیلہ اس پر حیرت کی نظر ڈالتی چلی گئی کہ وہ اپنی بہن کو نہ تو اتنا بے وقوف سمجھتی تھی اور نہ ہی اتنی جذباتی......
ماں کے منہ سے کڑوی کسیلی سن کر بھی اس کے دل میں کبھی شہلا کے لیے نفرت اور جلن کا جذبہ نہیں پیدا ہوا تھا۔

☆☆☆

سرکاری تعطیلات کے باعث دو دن کی چھٹی ایک ساتھ آئی تھی۔ ان ایام میں چونکہ اخبار نہیں شائع ہونا تھا اس لیے تمام ورکرز کی بھی چھٹی تھی۔

ایسے ایام سب کے لیے ہی بڑے اچھے ہوتے تھے...... اور سب ہی اپنے ، اپنے حساب سے چھٹیاں انجوائے کیا کرتے تھے...... میں چونکہ اپنے ہفتہ وار میگزین کا کام ایڈوانس میں کر کے آئی تھی اس لیے ایک دن کی چھٹی مزید بڑھالی تھی اور مزے سے فرح خالہ کی یونیورسٹی کی پرانی فرینڈز کے ساتھ میں بھی پکنک پر چلی گئی...... اور فارم ہاؤس میں رہ کر واقعی بہت انجوائے کیا اور جب چھٹیاں گزار کر ہم شاداں و فرحاں گھر واپس آئے تو امی نے بتایا۔

"تمہارے باس کے فون بار، بار آرہے تھے...... انہیں شاید تمہارا چھٹی کرنا اچھا نہیں لگا۔"

"امی ہمارے باس کو کبھی کچھ بھی اچھا نہیں لگتا...... اس لیے مجھے بھی کوئی پروا نہیں ہے ان کی ناراضی کی۔"

"میں نے تو کبھی ڈر کر کام نہیں کیا...... صبو گڑیا، تم یوں کرو...... ایک دن کی چھٹی اور کرلو...... اچھا ہے آج ہم دونوں سردیوں کے لیے اپنے کپڑوں کی شاپنگ بھی کرلیں گے اور کچھ چھوٹی موٹی چیزیں بھی لے لیں گے۔" فرح خالہ نے کہا۔

"مگر خالہ آپ یہ تو سوچیں اگر میں نے چھٹی کرلی تو...... باس کے فون میرے بلڈ پریشر کو کتنا بڑھا دیں گے۔" میں تذبذب میں تھی کہ کروں تو کیا کروں۔

"جب، جب تم میری بات نہیں مانو گی...... تو ایسا ہی ہوا کرے گا......" فرح خالہ نے جھنجلا کر کہا۔

"میں نے بھلا آپ کی کون سی بات نہیں مانی......" میں نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ حال ہی میں ان کے کہنے پر اپنا فیس بک کا اکاؤنٹ تک تو بند کردیا تھا۔

"صبو بیٹا چھٹی کرنے کا ایک مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ اپنا موبائل بھی آف رکھا جائے...... اور گھر کے لینڈ لائن فون کا بھی پلگ باہر نکال دیا جائے جیسا کہ میں نے ہمیشہ کیا اور ہمیشہ کروں گی۔"

"ٹھیک خالہ۔" میں نے بھی سر جھٹک کر کہا اور خالہ کے ساتھ شاپنگ کو نکل گئی۔

خالہ کے ساتھ شاپنگ کرنے ہمیشہ امی ہی جایا کرتی تھیں اور میں آج ان کے ساتھ آکر واقعی چکرا سی گئی تھی۔ پہلے پوری مارکیٹ کا چکر پھر پسند آنے والی چیزوں کے پیچھے جانا اور تو کبھی آگے بھاگنا...... کپڑے خرید کر فارغ ہوئیں تو ان کی چھوٹی موٹی چیزوں کی لسٹ شیطان کی آنت کی طرح لمبی تھی جو کسی صورت ختم ہونے میں نہیں آرہی تھی...... کبھی وہ میچنگ بیگز کی طرف لپک رہی تھیں تو کبھی لاسٹک، کنگھیوں اور سیفٹی پن کی جانب بھاگ رہی تھیں...... اور جب میں نڈھال ہوکر گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی کہ آج کی شاپنگ ختم ہوئی اور اب خالہ کے ساتھ شاپنگ پر ہرگز نہیں آؤں گی تو انہوں نے سرعت سے گاڑی چلاتے ہوئے اچانک اپنی گاڑی مشرق سینٹر کی جانب موڑلی۔

"ہمارا گھر تو اس طرف نہیں ہے، اب آپ کہاں جارہی ہیں۔"

"اب ہم ایکسپو سینٹر جارہے ہیں۔" وہ خوش دلی سے بولیں۔

"کیوں جارہے ہیں؟" میرا لہجہ بھی تھکا تھکا سا تھا۔

"سامنے کتابوں کی نمائش، چلو راؤنڈ مار کر آتے ہیں۔"

"پلیز خالہ...... میں بہت تھک چکی ہوں...... آپ جائیں، میں یہیں آپ کا انتظار کروں گی......" میں نے سیٹ سے سر ٹکا دیا۔

"ارے صبو، یہاں بیٹھ کر تم بور ہوگی...... ہم بس یوں گئے اور یوں آئے......" انہوں نے چٹکی بجائی۔

"اچھا چلیے......" میں بادلِ ناخواستہ بے دلی سے ان کے ساتھ چل پڑی...... ایکسپو سینٹر کی جانب۔ واقعی خوب صورت اور نادر کتابوں کے اسٹالز تھے میں تو حیران سی رہ گئی۔ کتابوں کا ایک شہر آباد تھا۔

''تمہیں کوئی کتاب خریدنی ہے تو خرید لو......'' اب وہ اپنی پسندیدہ کتب لیے ہوئے مجھ پر بھی احسان دھر رہی تھیں۔

''نہیں خالہ، مجھے کوئی کتاب نہیں چاہیے۔ ہم اخبار والوں کے پاس تو ویسے ہی فری میں کتابیں آتی رہتی ہیں۔'' اب خالہ آگے، آگے چل رہی تھیں اور میں آہستہ، آہستہ سارے اسٹالوں کو رغبت سے دیکھتے ہوئے گزر رہی تھی۔

ایک جگہ اپنا اخبار بھی رکھا نظر آیا تو حیرت سی ہوئی۔

''اب ہمارے اخبار کو یہاں کون خریدے گا......'' میں آگے بڑھ کر فرح خالہ سے بولی جو ایک جگہ رک کر طنز و مزاح کی کتب دھڑا دھڑ خریدے جا رہی تھیں۔

''شاید فری میں بانٹا جا رہا ہوگا۔'' انہوں نے جیسے کھرا سچ بولا اور کھی، کھی کر کے ہنس بھی دیں۔

''صبو......تم ذرا یہیں رکو......میں کھانا پکانے کے... میگزین لے کر ابھی آئی۔''

اور میں ان کی کتابوں کے بڑے سے بنڈل کو پاس رکھ کر ایسے ہی ایک کونے میں کھڑی ہوگئی......اور آتی جاتی خواتین کو بغور دیکھنے لگی......ان دنوں اور رنج لپ اسٹک لڑکیاں زیادہ کیوں لگا رہی ہیں......بڑی عمر کی خواتین لڑکیوں کے مقابلے میں زیادہ بال کھول کر کس وجہ سے پھر رہی ہیں......ایجڈ مرد، خواتین کو رغبت سے کیوں دیکھ رہے ہیں جیسی باتیں میرے ذہن میں گڈ مڈ ہو رہی تھیں کہ فرح خالہ ہانپتی ہوئی واپس آئی اور بولیں۔

''میں نے ابھی رئیسہ آنٹی کو دیکھا ہے......وہ کسی بچی کو کتابیں دلوا رہی تھیں۔''

''کہاں دیکھا ہے آپ نے آنٹی کو؟'' میں نے بھی پُرجوش لہجے میں پوچھا اور خالہ کے بائیں جانب اشارے پر میں بھاگتی ہوئی چلی گئی......کس سے ٹکرائی اور کہاں اپنا موبائل گرایا......یہ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔

پتا تھا تو صرف یہ تھا کہ وہاں رئیسہ آنٹی کہیں بھی نہیں تھیں......اگر وہ ہوتیں تو نظر بھی آ جاتیں۔ میں نے ایکسپو سینٹر کے نہ جانے کتنے چکر لگا لیے تھے۔

''اوہ......آج میں اپنا چشمہ بھی تو نہیں پہنے ہوئے تھی......شاید وہ کوئی اور ہوں گی......'' چلتے ہوئے خالہ اطمینان سے اپنا بیان داغ رہی تھیں......اور میں تلملا کر ہی رہ گئی......خالہ کو بے وقت اور بلاوجہ ایکٹو بننا بے حد آتا تھا......انہیں اس بات کا خیال تک نہیں تھا کہ میں اس وقت کتنی تھکی ہوئی تھی......اور ان کی وجہ سے میں شدید تھکاوٹ کا شکار ہو چکی تھی۔

اور جب ہم ایکسپو سینٹر سے باہر نکل رہے تو میرے کانوں میں عجیب سی آوازیں آ رہی تھیں۔

''مس رکیے......مس پلیز، سنیے۔'' اور میں سرعت سے یوں آگے بڑھی جا رہی تھی کہ کہیں فرح خالہ کو کچھ مزید یاد آ جائے تو وہ پھر کہیں دوبارہ پلٹ پڑیں

''اب چشمے کے بغیر تو میں اپنی فرینڈز کو بھی نہیں پہچان پاتی ہوں۔'' گھر آ کر وہ خوب ٹھسے سے ہنس رہی تھیں۔

''چلو آج خوب اچھی واک ہوگئی......ورنہ کہاں چلنا ہوتا ہے۔''

''خالہ آپ کی تو واقعی شاندار واک ہوگئی مگر میرا تو آپ نے خواہ مخواہ تماشا بنوا دیا......کوئی کیا کہتا ہوگا......کتابوں کی نمائش میں لڑکیاں اس طرح گھومتی ہیں کہ کبھی آگے کی جانب تو کبھی پیچھے کی جانب؟''

''توبہ ہے صبو......تم تو رائی کا پہاڑ بنا دیا کرتی ہو۔''

''نہ ہم نے کسی کو دیکھا......اور نہ ہی کسی نے ہمیں۔''

''ہاں، سب آنکھیں بند کر کے آئے ہوں گے نمائش میں۔'' میں جل کر بولی۔

''بے وقوف لڑکی...... کتابوں کی نمائش میں لوگ اپنی من پسند کتابیں ڈھونڈتے ہیں...... لوگوں کے چہرے نہیں پڑھا کرتے۔'' اب فرح خالہ مختلف شاپنگ بیگز میں سے چیزیں نکال کر بیڈ پر پھیلا رہی تھیں اور بولے چلی جارہی تھیں۔

''ہاں یہ تو ہے...... مجھے بھی کوئی اپنا جاننے والا نظر نہیں آیا۔ سوائے اپنے اخبار کے...... پتا نہیں کس نے وہاں سجادیے تھے...... سر فرید تو وہاں نہیں تھے۔'' اب میں وہیں کارپٹ پر کشن کے سہارے لیٹ گئی تھی اور فرح خالہ کی کنٹری سن رہی تھی...... اور جو وہ اپنی شاپنگ دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں کسی چیز کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں اور کسی کو آزردہ...... اس میں تو میں لٹ گئی۔ ہاں اس میں تو، میں نے لوٹ لیا۔ ان کے جملوں پر دل چاہتے ہوئے بھی کوئی کمنٹس پاس کرنے کی ہمت نہیں تھی...... کہ آج کا دن میرا کیسا تھکا دینے والا تھا...... میں واقعی وہیں لیٹ گئی تھی...... اور آنکھیں مندی سی ہوئی جارہی تھیں۔

''صبو...... آج کا دن میرا تو بھئی بہت شاندار گزرا اور تمہارا کیسا رہا......؟'' خالہ مجھ سے پوچھ رہی تھیں اور میں اپنے لبوں سے بورترین جملے ادا کرنے سے قاصر تھی...... کہ اب تھکن پر نیند غالب ہوگئی تھی...... اور یہ دونوں جو یہ سمجھ رہی تھیں کہ انہیں کسی نے نہیں دیکھا...... وہ لاعلم تھیں...... قطعی لاعلم......

اس نمائش میں ایک شخصیت ایسی ضرور تھی جس نے نہ صرف صبا کو دیکھا تھا بلکہ بغور دیکھا تھا پہلی مرتبہ جب وہ اخبار کے اسٹال پر تبصرہ کرتی ہوئی گزری تھیں کہ یہ اخبار یہاں کس نے رکھ دیا...... دوسری مرتبہ تب جب وہ اس سے ٹکرائی تھی۔

اور تیسری مرتبہ اس وقت جب وہ بھاگ رہی تھی اور اس کا موبائل وہاں گر گیا تھا۔ اور اس نے اسے آواز بھی دی تھی...... مگر وہ آواز سننے کے باوجود پیچھے نہیں مڑی تھی۔ اس کا موبائل اس کے ہاتھ میں آگیا۔

''یہ طوفان کی طرح بھاگتی دوڑتی لڑکی کون تھی؟'' وہ بڑبڑایا۔

''کیا لڑکیاں اس حد تک بھی پاگل ہوتی ہیں جنہیں کچھ ہوش ہی نہیں ہوتا۔''

دفعتاً ہاتھ میں آجانے والے موبائل پر بیپ ہوئی۔

غیر ارادی طور پر اس نے اوکے کرکے موبائل کان سے لگایا۔

''صبو کی بچی کل آفس آجانا۔ ورنہ وہ موٹا تو موٹا وہ عینکو بھی کھا جائے گا۔'' کوئی لڑکی تمسخرانہ لہجے میں تقریر کرنے کے موڈ میں تھی۔

''کون موٹا؟ کون عینکو؟'' اس نے حیرت سے موبائل کو دیکھا اور قصداً اسے آف کردیا۔

موبائل لاکڈ نہیں تھا...... اور کسی صبو نامی لڑکی کا پتا لگانا اب کوئی مشکل نہیں تھا۔

جس کو دوڑتے بھاگتے وہ دیکھ چکا تھا۔

☆☆☆

اور جب میں مزید ایک اور چھٹی گزار کر آفس پہنچی تو وہاں ایسا سناٹا تھا جیسے کرفیو اسی آفس میں لگادیا گیا ہو۔

''آج اتنی خاموشی کیوں ہے آفس میں۔'' میں نے اپنے کیبن سے انٹرکام پر فرزانہ سے پوچھا۔ اس نے کھٹ سیدھا، سیدھا جواب دیا۔

''اب ایسی ہی رہا کرے گا۔''

''کیوں؟ ایسی کیا مصیبت آگئی ہے؟'' میں نے پھر سوال داغا۔

''ہاں، ایسی ہی آگئی ہے۔'' جواب حاضر تھا۔ وہ سرد لہجے میں بات کررہی تھی۔

''کیا مطلب......؟''

''وہ دراصل ندیم خان نے جوائن کرلیا ہے۔''

''کیا بہت سخت ہے وہ؟''

''پلیز ڈسٹرب نہ کرو، باقی باتیں لنچ ٹائم میں ہوں گی۔'' فرزانہ جو اپنے کیبن میں بیٹھی باتیں کرنے کی رسیا تھی اس وقت وہ مجھ سے بات بھی نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

یہ سب مجھے بے حد عجیب سا لگا کہ فرزانہ کی عادت سے میں بخوبی واقف تھی کہ جب تک وہ رائی سے رتی تک کی خبر مجھے نہیں دیتی اسے چین ہی نہیں ملتا تھا......ایک ایسی لڑکی جسے آفس آتے ہوئے رستے میں کوئی انہونا سا منظر یا لوگ بھی نظر آجاتے تو وہ ان کے بارے میں بھی مجھ سے گھنٹوں ڈسکس کیا کرتی تھیں اور آج بغیر کسی تاثر کے بات کررہی تھیں میں نے انٹرکام بند کردیا۔

''یہ ندیم خان ہے کیسا؟ آخر ایسی کون سی توپ چیز ہمارے آفس میں آگئی ہے۔'' میں نے بڑبڑا کر کیبن سے باہر کا رخ کیا مگر کوئی بھی نیا چہرہ نظر نہیں آیا۔ بلکہ ہر شخص جلدی میں ہی نظر آرہا تھا۔ جیسے اس کے پیچھے کوئی ایمرجنسی سی لگ گئی ہو۔

''شاکر بھائی آپ کیسے ہیں؟'' ہمارا پیون جو ہر روز اپنی ایک عدد بیوی اور اس کی تیرہ کہانیاں سنانے کا شوقین تھا......میری بات کے جواب میں سر اثبات میں ہلاتا ہوا چل دیا۔

''لگتا ہے آج اپنی بیوی سے پٹ کر آئے ہو؟'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''جی الحمدللہ......'' وہ میری بات سنے بغیر ہی کہتا ہوا چلا گیا۔

''اوہ......یہ حالت ہوگئی بیچارے کی......پٹ کر بھی شکر کررہا ہے۔'' مجھے ہنسی آگئی......اس سے کہ پہلے کہ میں ساجد کے کیبن میں جا کر اس کی خیریت اور آفس کی آج کی نئی خبر کا مزہ لیتی......فرید صاحب اپنے کمرے سے باہر نکل کر مجھے یوں دیکھنے لگے جیسے کسی اجنبی کو دیکھتے ہیں۔

''کیا ہوا سر......آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''طبیعت تو مجھے آپ کی پوچھنی ہے۔ کہاں غائب تھیں آپ؟ نہ کوئی فون، نہ کوئی رابطہ......کیا ہوگیا تھا......میں تو سمجھا کہ بتائے بغیر کہیں دوسری جگہ چلی گئی ہیں آپ۔''

''سر رابطہ آپ سے کیسے کرتی......ایک ڈاکو نے گن پوائنٹ پر نہ صرف میرا پرس بلکہ موبائل تک چھین لیا تھا......یہ دن کتنے پریشانی میں گزرے ہیں......روزانہ پولیس اسٹیشن کے چکر کاٹتی رہی مگر کہاں شنوائی ہوتی ہے کسی کی......اور ظاہر ہے ایسے میں میری ذہنی حالت ایسی تو نہیں رہی تھی کہ آپ سے رابطہ کرکے اپنے اوپر بیتی ہوئی یہ افتاد آپ کو سناتی۔'' میرے ذہن میں جو فوری کہانی آتی تھی اسی کا سرا کھینچ کر میں نے خاصے غمگین لہجے میں انہیں سنادی تھی۔

اب میں جوابی طور پر ان کے ہمدردی کے کلمات سننے کی خواہاں تھی۔ مگر وہ مڑے اور تیزی سے اپنے کمرے میں چلے گئے اور میں سوچنے لگی میرے جملوں نے تیر کا کام کردیا ہے سر بیچارے پریشان سے ہوگئے......جب ہی تو ان سے کھڑا تک نہیں ہوا گیا۔

اس سے قبل کہ میں اپنی اس سوچ پر عمل کرتی کہ مجھے ساجد کے کیبن میں جا کر سر کا مضحکہ اڑانا ہے یا ناعمہ کے......سر تیزی سے واپس آئے اور میرا موبائل مجھے دیتے ہوئے بولے۔

''مس صبا، جس ڈاکو نے آپ سے یہ موبائل چھینا تھا وہ ہمیں واپس کرگیا ہے۔''

”سر...... یہ میرا موبائل آپ کے پاس کیسے آیا؟“ اب میں حیرت سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔
”کہہ تو رہا ہوں کہ ڈاکو خود واپس کر کے گیا ہے کہ مس صبا کو پریشانی ہو جائے گی اُن کے سارے ماسٹر پلان اس میں فیڈ ہیں۔“
اور تب ہی میری پشت پر ایک قہقہہ بلند ہوا جو میرے سر پر سنگ باری سا کر گیا۔ غصے سے مڑ کر دیکھا تو شاکذرہ گئی۔
اب کسی کی یہ ہمت کہ مجھ پر ہنسا جائے...... واقعی میں غصے سے کھول رہی تھی اور میرا دل واقعی یہ چاہ رہا تھا کہ فرزانہ کی بتیسی نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دوں۔
”صبا تمہارے ہاتھ سے تو کوئی ڈاکو چھین کر لے کر گیا تھا ناں تمہارا یہ موبائل تو پھر یہ ہمارے آفس میں کیسے پہنچ گیا؟“
”ہاں، لے کر گیا تھا...... اور اب اگر اس نے اسے کتابوں کی نمائش میں کہیں گرا دیا تو مجھے کیا پتا......“ غیر ارادی طور پر میں کہہ گئی...... اور احساس تک نہیں ہوا کہ میں نے اپنی بات کی نفی خود ہی کر دی تھی۔
فرید صاحب مسکرا کر آگے بڑھ گئے اور فرزانہ اپنے کیبن میں...... ”یہ اخبار میں کام کرتے، کرتے یہاں کے ورکرز بھی معمولی باتوں کو خبر بنا دیتے ہیں۔“ اب وہ یہ سب ندیم خان کو بتا رہے تھے...... جو انتہائی سنجیدگی سے کسی رپورٹ کو پڑھ رہا تھا۔
”فرید...... پلیز مجھے توجہ سے پڑھنے دو......“ فرید کی مزید گفتگو جو قہقہوں کے ساتھ اسٹارٹ ہوئی تو اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید گفتگو سے منع کرتے ہوئے کہا۔
اپنے کام میں اسے ڈسٹربنس بالکل بھی پسند نہیں تھی۔
میرے موبائل کھونے کا مذاق آفس میں خوب اڑایا جا رہا تھا مگر اس انداز میں کہ مجھے خبر نہ ہو...... (اور میں واقعی بے خبر بھی تھی)
فرزانہ میرے کیبن میں آتی تو اپنا منہ سی کر آتی اور باہر نکلتی تو اس کے حلق سے ڈھولک بجنے لگتا...... تو کبھی نقارے اور تو اور پیون تک دھڑلے سے مزہ لے رہا تھا اور اس کے قہقہے بار، بار چھت اڑا رہے تھے۔
”بس کریں سب۔“
”بہت ہو گیا۔“
”ایک بات کے پیچھے بار بار نہیں پڑ جاتے آپ لوگ......“
ندیم خان کے دہاڑنے کی آواز آئی جسے میں نے حیرت سے سنا۔ (ہاں اصل حقیقت سے تو میں بھی بعد میں واقف ہوئی تھی)
”اوہ، یہ بات ہے دونوں دوست ایک جیسے ہی ہیں...... چیخنے، چلانے کے ماہر......“ اپنا کام کرتے ہوئے میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر لاتعلق سی ہو کر اپنے کام میں محو ہو گئی۔
میں ایک قابل جرنلسٹ تھی اور میں چاہتی تھی کہ اس نئے بندے کو بھی جلد پتا چل جائے کہ میں آخر ہوں کیا...... اس لیے دل چاہنے کے باوجود اپنی کیبن سے باہر جانے کے بجائے وہیں بیٹھی اپنا کام کر رہی تھی اور دھیمے لہجے میں گنگنا بھی رہی تھی۔ اور ندیم خان اپنے کمرے میں لگے کیمرے میں سے تمام ورکرز کا احوال دیکھ رہا تھا۔

(جاری ہے)